فروری 2016 ، قیمت: -/10روپے

www.urducouncil.nic.in

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

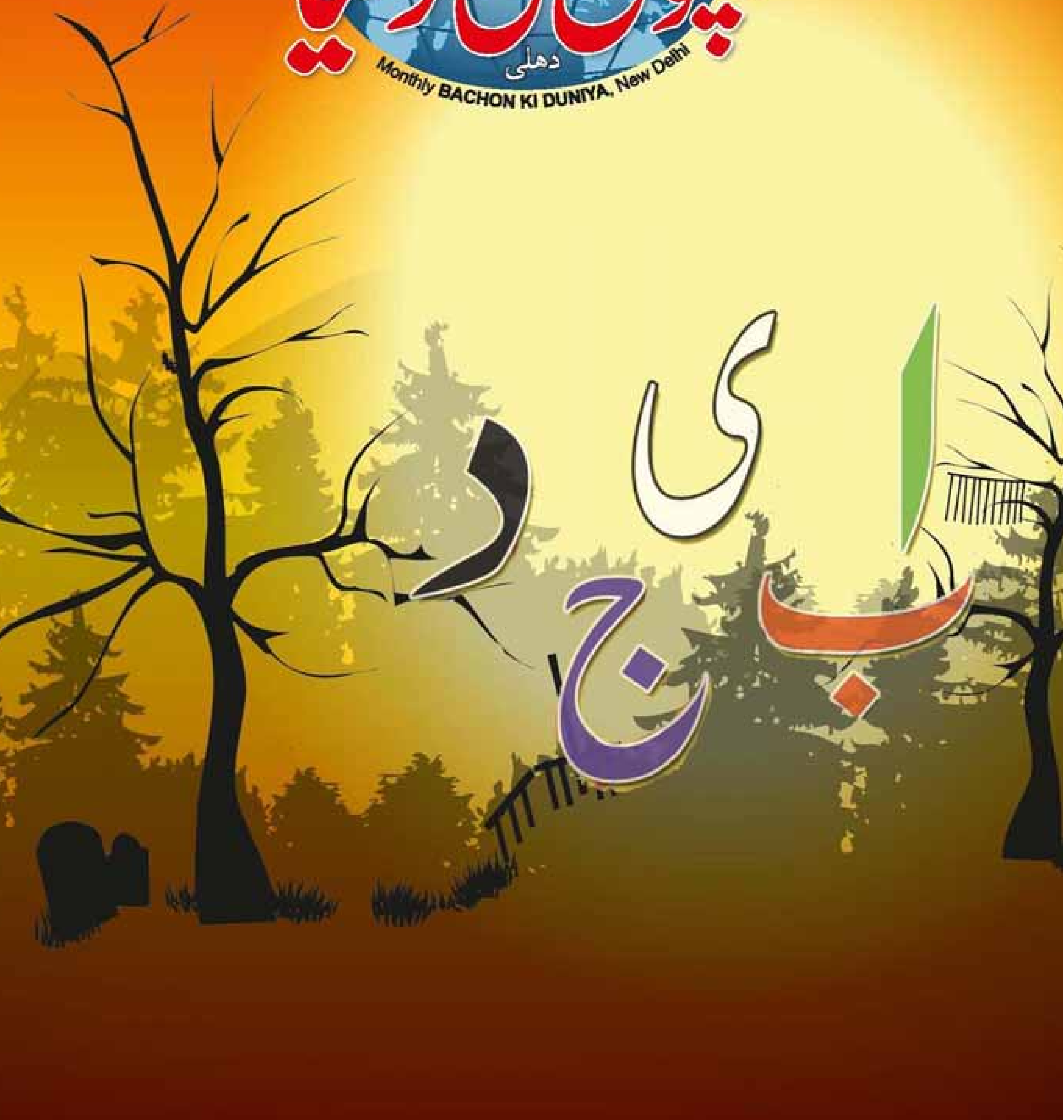

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اردو دنیا

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے ،اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سیمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ:15 روپے، سالانہ:150 روپے

اردو زبان میں علم وآگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

اردو زبان وادب سے متعلق اہم تنقیدی وتحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش وجستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت:100 روپے، فی شمارہ:25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبہ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون:26109746، فیکس:26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

جلد: 4 شمارہ: 2 فروری 2016

مدیر: پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی

ناشر اور طابع
ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی -110025
فون: 49539000
شعبہ ادارت: 11-49539009
ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ /100 روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی- 110066
فون: 26109746

ای میل: sales@ncpul.in
ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد-500002
فون: 040-24415194

اس شمارے میں

مدیر کا خط	آپس کی باتیں	مدیر	04
بڑوں کی باتیں	ڈاک خانہ		05
مضامین	میں آؤں......؟	شمیم احمد صدیقی	06
	چاہت چائے کی	منظور پروانہ	12
	آگ: قدرت کا نایاب تحفہ	عظیم اقبال	14
سیر کردنیا کی	فیری کوئین	محمد سراج عظیم	16
نظمیں	آرزو	غضنفر	21
	سردی آئی	فردوس بانو فلاحی	22
	بھارت کی شان ہے اردو	شیخ عبدالستار فیضی	23
کہانیاں	فرماں برداری کا انعام	مرتضیٰ ساحل تسلیمی	24
	ہیلو! بی بندریا	حلیمہ فردوس	28
	سو سنار کی ایک لوہار کی	انصاری محمد شاہین	33
سائنس کی الف لیلہ	حسینہ کالی پڑگئی	سکٹف اور سکٹف	37
نظم	پیڑ لگاؤ دیش سجاؤ	احد پرکاش	40
قسط وار ناول	اُلٹا درخت	کرشن چندر	41
کہکشاں	چمن چمن کے پھول		49
	جگالی کرنے والے جانور	سلطان احمد ساحل	50
	اچھی باتیں	بشریٰ بی شیخ	51
	ہندوستان کے خوبصورت ریلوے اسٹیشن		52
	اردو کا جشن		54
	سراب کیسے بنتا ہے؟		55
	ہنسی کے غبارے		57
ننھے فنکار	فاختہ کا گھونسلہ	واثق رحمن	58
	بچوں کی پینٹنگ		60
	اردو فیس بک		62

آپس کی باتیں

پیارے دوستو! زندگی اور زبان کا بہت گہرا رشتہ ہے۔ زبان ہی ایک دوسرے کے جذبات و احساسات کو سمجھنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ دنیا میں سیکڑوں زبانیں اور بولیاں رائج ہیں لیکن مادری زبان کی ایک الگ اہمیت ہے۔ کسی قوم یا فرد کی شناخت زبان ہی سے ہوتی ہے۔ اسے بنیادی حق کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ 21 فروری کو UNESCO کے رکن ممالک میں عالمی یوم مادری زبان کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اِس کا مقصد مادری زبان کا تحفظ اور اس کی معنویت و اہمیت سے روشناس کرانا ہے۔ ہمارے ملک ہندوستان میں بھی یوم مادری زبان کے موقعے پر رنگارنگ تقریبات اور پروگرام کا انعقاد کیا جاتا ہے اور مادری زبان کے حوالے سے عوام میں بیداری پیدا کی جاتی ہے۔ مادری زبان میں باتیں جلد سمجھ میں آتی ہیں اسی لیے لوگ مادری زبان کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ آپ کو پتہ ہے کہ ہماری مادری زبان اردو ہے جس کی شیرینی اور نزاکت سے پوری دنیا متاثر ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اِس زبان کی ترقی کے لیے ہر ممکن کوشش کریں اور روزمرہ کی ضروریات میں زیادہ سے زیادہ اِس زبان کا استعمال کریں۔

پیارے بچو! آپ سب جانتے ہیں کہ موجودہ دور میں تعلیم کی کتنی اہمیت ہے۔ تعلیم نہ صرف کامیابی کی کنجی ہے، بلکہ ہمیں بہتر مستقبل کی ضمانت دیتی ہے اور جینے کے آداب بھی سکھاتی ہے۔ ہمارے رہن سہن، انداز و اطوار اور ہماری سوچ پر بھی اثرانداز ہوتی ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ علم نے بڑے بڑے سورماؤں کو زیر کیا ہے اور علم کی بدولت ہی انسان اپنی زندگی میں سُرخرو ہوتا ہے۔ تعلیم یافتہ افراد کی معاشرے میں بڑی قدر و منزلت ہوتی ہے۔ اس لیے آپ سب بھی علم حاصل کرنے کو بنیادی مقصد بنایئے اور پوری دلجمعی کے ساتھ اپنی تعلیم پوری کیجیے۔ اپنی زندگی کا ایک مقصد متعین کرلیں کہ ہمیں زندگی میں کیا کچھ کرنا ہے۔ جب آپ ایک مقصد کے ساتھ آگے بڑھیں گے تو یقیناً کامیابی آپ کے قدم چومے گی اور آپ منزل مقصود تک آسانی سے پہنچ جائیں گے۔ مگر ایک بات ذہن میں ضرور رکھیں کہ آپ کی سوچ ہمیشہ مثبت ہونی چاہیے۔ منفی سوچ انسان کی زندگی میں زہر گھول دیتی ہے۔ اس سے صرف آپ ہی کا نہیں بلکہ پورے سماج کا نقصان ہوگا۔ آج آپ یہ سوچ لیں کہ ہمیں کامیابی کی نئی عبارت لکھنی ہے تو دنیا کی کوئی طاقت آپ کے راستے میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

دوستو! اب آپ اپنے محبوب ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں شامل خوبصورت اور عمدہ تحریروں سے لطف اٹھایئے اور پڑھ کر ہمیں یہ ضرور بتایئے کہ یہ شمارہ آپ کو کیسا لگا اور آپ اس میں کس قسم کی تبدیلی چاہتے ہیں۔ آپ بھی 'بچوں کی دنیا' کے لیے اپنی تخلیقات بھیجیں۔ ہم آپ کی تحریروں کو شائع کرکے خوشی محسوس کریں گے۔

آپ کا

پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

ڈاک خانہ

❑ 'بچوں کی دنیا' کا دسمبر کا شمارہ حسب معمول بذریعہ ڈاک موصول ہوا۔ بچوں کے لیے فی الحال کئی رسالے شائع ہو رہے ہیں لیکن بچوں کی دنیا میں جو بات ہے وہ کسی اور میں نہیں ہے۔ مواد کے اعتبار سے بھی اور طباعت کے اعتبار سے بھی جتنا جاذبِ نظر سرورق ہوتا ہے اسی طرح اندرونی صفحات بھی دیدہ زیب ہوتے ہیں اور اس سے زیادہ مضامین دلچسپ ہوتے ہیں۔ زیرِ نظر شمارے میں تمام تخلیقات بہت دلچسپ و معلوماتی ہیں حضور اکرمؐ کے تعلق سے مضمون بہت خوب سے خوب ہے محترم فیاض احمد صاحب کا مضمون 'شیر میسور ٹیپو سلطان' اچھا ہے۔ خوب معلومات فراہم کرتا ہے، پیش نظر شمارے میں نظمیں معیاری ہیں مزید خوشی کی بات یہ ہے کہ سادہ زبان میں ہیں جسے بچے آسانی سے سمجھ بھی سکتے ہیں۔ عصرِ حاضر کے معروف افسانہ نگار سراج فاروقی کی کہانی بہت خوب ہے اس کے علاوہ دیگر مشمولات بھی لائقِ مطالعہ ہیں۔

سلمان جونپوری، 23، افراڈ پلیکس، وٹوا کینال روڈ، احمد آباد

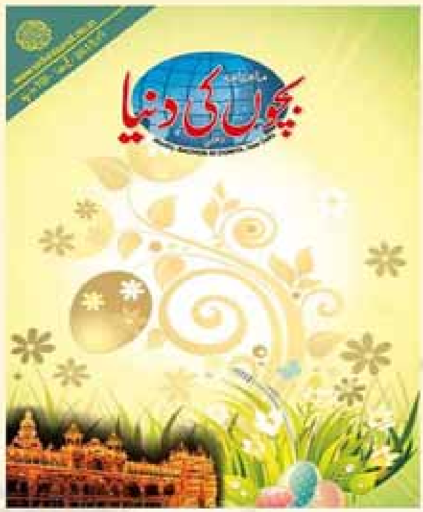

❑ آج کے نامساعد حالات میں دلکش اور منفرد انداز کا بچوں کا رسالہ 'بچوں کی دنیا' کی اشاعت کے لیے اردو داں طبقہ آپ کا احسان مند ہے۔

بچوں کے رسالے زبان و ادب کی ترویج و اشاعت کے لیے ایک خاموش تحریک کی طرح ہوتے ہیں۔ یہ ننھے اذہان کو ادب کی تعمیر کی جانب راہ دکھاتے ہیں۔ مستقبل میں ہی ننھے قاری خوبصورت پھولوں کی طرح اردو کے ادبا و شعرا کی شکل میں کھِل اٹھیں گے۔ اس کے لیے آپ کو مبارکباد!

اقبال عارف، ملکی محلہ، آرہ، بھوجپور، بہار

❑ میں 'بچوں کی دنیا' کا شروع سے مطالعہ کر رہا ہوں۔ ماشاء اللہ روز بروز اس کا معیار بہت اچھا ہو رہا ہے۔ دسمبر 2015 کا شمارہ تو بہت ہی اچھا لگا۔ پیارے نبی، شیر میسور، معلومات کی کسوٹی اور کہکشاں جیسی چیزیں پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ اللہ مزید سحر ترقی سے نوازے۔

سید مشتاق ندوی، سنجے گاندھی نگر، پربھنی

❑ 'بچوں کی دنیا' ماہ دسمبر 2015 ہدست ہوا۔ مشمولات لائق مطالعہ ہیں۔ زیرنظر بچوں کی دنیا کے مشمولات سے بڑے بھی بھرپور استفادہ کرسکتے ہیں۔ بچوں کے ذہن سے میل کھائی ہوئی کہانیاں، کارٹون، نظمیں وغیرہ خوب ہیں۔ فاتح انٹارکٹیکا—ڈاکٹر ظہور قاسم پر معلوماتی مضمون ہے۔ خدا بچوں کی دنیا کو خوب ترقی دے۔

غیاث انجم، ملت نگر، پوسٹ مخدوم پور، بوکارو سٹیل سٹی، جھارکھنڈ

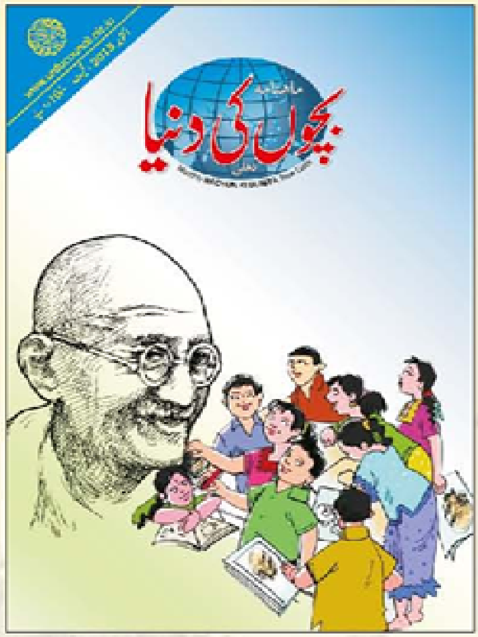

❑ ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' اسم با مسمّیٰ ہے۔ یہ رسالہ نہیں بچوں کی دلچسپی کا خزانہ ہے۔ مزے مزے کی کہانیاں اور مترنم نظمیں بچوں کے علاوہ بڑوں کو بھی پڑھنے کی دعوت دیتی ہیں۔ ماہ اکتوبر کے شمارے میں ہماری زندگی سے جڑی کہانیاں خصوصاً 'پانی رے پانی' اور دانیال اور چڑیا مجھے بہت پسند آئیں۔ پرندہ اور انسان اور لال بہادر شاستری سے متعلق نظمیں بھی اچھی لگیں۔ کہانیوں کو منظوم پیرائے میں پیش کرنے کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔ بشرطیکہ نظمیں مختصر ہوں۔ سائنس کی الف لیلیٰ اور اُلٹا درخت کا جواب نہیں۔ تاریخی واقعات، جغرافیائی ماحول، سائنسی ایجادات اور طبی معلومات سے متعلق مضامین اس رسالہ کی افادیت میں اضافہ کا باعث ہیں۔ جبکہ 'ننھے فنکار' کا گوشہ بچوں کی تخلیقی صلاحیت کو مہمیز کرتا ہے۔ اس ماہ سے آپ نے 'بڑوں کی باتیں' کالم کا اضافہ کرکے ہم جیسوں کو اظہارِ خیال کا موقع عطا کیا ہے۔

ہر کوئی اس رسالہ کے صوری ومعنوی حسن کا معترف ہے۔ مدیر محترم پروفیسر ارتضیٰ کریم نے اس مہینے میں جنم لینے والی اہم ہستیوں کے کارناموں کا ذکر کیا ہے۔ مگر سرورق پر ان کی تصاویر کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد، علامہ اقبال کے یوم پیدائش کی وجہ سے نومبر کا مہینہ بھی اہمیت کا حامل ہے۔ امید ہے آئندہ شمارہ میں ان رہبرانِ قوم سے متعلق تخلیقات پڑھنے کو ملیں گی۔

میرا ایک ادنیٰ مشورہ ہے گر قبول افتد زہے عزوشرف۔ اگر کوئی انعامی مقابلہ شامل کیا جائے تو بچوں کی جستجو اور دلچسپی میں مزید اضافہ ہوگا۔

ڈاکٹر حلیمہ فردوس، بنگلور

شمیم احمد صدیقی

میں آؤں......؟

مجھ کو خالق کائنات نے کچھ اس طرح کی شکل و صورت اور عادت و اطوار عطا کی ہیں کہ انسان مجھے شیر کی خالہ کہتا ہے لیکن اُس کے بچے بھی مجھ سے قطعی کوئی خوف نہیں کھاتے بلکہ محبت سے اپنی گود میں بھی بیٹھا لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ مجھے شوق سے گھروں میں پالتے ہیں۔ مجھے پنجرے یا ڈربے میں بند بھی نہیں کرتے اور میرے کھانے پینے کا بھی خاصا بندوبست کرتے ہیں۔ مجھے اپنا پیٹ بھرنے کے لیے زیادہ تگ و دو نہیں کرنا پڑتی۔ پھر بھی اپنی محنت سے جو روزی روٹی حاصل ہوتی ہے اُس کی لذت ہی کچھ اور ہوتی ہے لہٰذا میں اپنی پسند کی روزی کی تلاش میں پاس پڑوس کے تمام گھروں میں جھانکتی پھرتی ہوں۔ لیکن میں بدتمیز نہیں ہوں۔ جب میں کسی نئے گھر میں داخل ہوتی ہوں یا کسی گھر میں آئے نئے فرد یعنی مہمان وغیرہ کو دیکھتی ہوں تو اپنے مخصوص لہجے میں پوچھتی ہوں "میں آؤں......؟" پھر میں اُس شخص کی آنکھوں کو دیکھتی ہوں کہ اُن میں میرے لیے پسندیدگی ہے یا ناپسندیدگی۔ جب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ گھر میں میرے داخل ہونے پر کسی کو اعتراض نہیں تو پھر میں بلا تکلف داخل ہو جاتی ہوں۔ میری "میں آؤں" کی آواز جب انسانوں کے کانوں سے ٹکراتی ہے تو وہ اُس کو "میاؤں" سمجھتے ہیں۔ اسی لیے بعض مرتبہ لوگ مجھے میاؤں میاؤں نام سے ہی پکارتے ہیں۔

مجھے اس بات سے تکلیف ہوتی ہے کہ کچھ لوگ مجھے حقیر سمجھتے ہیں اور اس لیے وہ مجھ سے محبت بھی نہیں کرتے بلکہ جب میں اُن کے مکان میں اپنی غذا تلاش کرنے کے لیے داخل ہوتی ہوں تو ڈنڈا دکھا کر مجھے بھگاتے ہیں۔ یہ تو میری

شرافت ہے کہ شیر کی خالہ ہوتے ہوئے بھی میں اُن پر حملہ نہیں کرتی۔ ہاں، اگر وہ مجھے کسی کمرے میں بند کر کے میری پٹائی کرنا چاہتے ہیں تب میں اُن کو مزا چکھا دیتی ہوں اور اُچھل اُچھل کر اُن کے پورے جسم کو اپنے نوکیلے ناخنوں سے لہولہان کر دیتی ہوں یہاں تک کہ وہ مجبور ہو کر میرے بھاگنے کے لیے دروازہ کھول دیتے ہیں۔ مجھے قید کر کے مارنے پیٹنے کی نازیبا حرکت وہی لوگ کرتے ہیں جو یہ نہیں جانتے کہ میں اُن کے گھر کے تمام چوہوں کا صفایا کر دیتی ہوں۔ میں چوہوں کے علاوہ چھپکلیاں، کئی قسم کے کیڑے مکوڑے اور کبھی کبھار شدید بھوک کے عالم میں چھچھوندر کو بھی کھا لیتی ہوں اسی لیے چھچھوندر بھی مجھے دیکھتے ہی بھاگ کھڑی ہوتی ہے۔

آپ کو شاید نہ معلوم ہو کہ ہاتھی جیسا بڑا اور طاقتور جانور جو اپنی سونڈ کے ذریعے سو کلو گرام سے زیادہ وزنی انسان کو اٹھا کر پٹخ دیتا ہے وہ بھی مجھ سے بڑا گھبراتا ہے اور مجھے دیکھتے ہی دُم دبا کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ ہندوستان کے ایک مشہور راجہ کو ایک جنگ میں اسی لیے ہار کا منہ دیکھنا پڑا تھا کہ اس کے مخالف لشکر کے ہوشیار سپہ سالار نے راجہ کی فوج کے آگے آگے چلنے والے ہاتھیوں کے سامنے ایک موٹی تازی بلی لا کر چھوڑ دی تھی جس کی وجہ سے تمام ہاتھی اپنی ہی فوج کے سپاہیوں کو کچلتے ہوئے بھاگ لیے تھے۔ مصر (Egypt) کے لوگ میری اس خصوصیت سے واقف تھے اسی لیے اب سے لگ بھگ چار ہزار سال قبل مصر کے باشندے میری پوجا بھی کرتے تھے اور جس طرح وہ اپنے حکمرانوں کے انتقال کے بعد اُن کے جسم کو محفوظ رکھنے کے لیے ممی بناتے تھے اسی طرح وہ میرے مُردہ جسم کی ممی بناتے تھے۔ مجھے پوری امید ہے کہ اوپر بیان کی گئی باتوں کو پڑھنے کے بعد وہ صاحبان جو مجھے حقیر سمجھتے تھے وہ بھی اب میری قدر کریں گے اور جب وہ اپنے گھر کے لیے گوشت لینے بازار جائیں گے تو اپنے گھر میں آنے والی میری بہن کے لیے کچھ چھیچھڑے ضرور لائیں گے۔

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ انسان اکثر اشاروں کی زبان میں یا محاوروں کے استعمال سے آپس میں گفتگو کرتے ہیں مثلاً جب کسی شخص کو اپنی کسی غلطی کا احساس ہوتا ہے اور وہ اپنی غلطی پر شرمندہ ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ وہ شخص مارے شرم کے پانی پانی ہو گیا۔ اسی طرح انسانوں نے میرے نام کا استعمال کر کے ڈھیر سارے محاورے بنائے ہیں۔ مجھے دُکھ ہے کہ اُن میں سے زیادہ تر محاورے خراب معنوں میں ہی استعمال کیے جاتے ہیں لیکن میں اپنے غم کو یہ کہہ کر کم کر لیتی ہوں کہ چلو بُرائی کے معنوں میں ہی سہی انسان نے کسی طرح مجھے یاد تو رکھا۔ اُن محاوروں میں سے جو زیادہ مشہور ہیں وہ اس طرح ہیں۔

(1) بلّی راستہ کاٹ گئی: پرانے زمانے کے لوگوں میں یہ غلط اعتقاد عام تھا کہ اگر کسی شخص کے گھر سے نکل کر اپنے کسی کام پر جاتے وقت یا سفر کے لیے جاتے وقت کوئی بلّی اُس کے سامنے سے گزر گئی تو وہ شخص جس مقصد سے جا رہا تھا وہ پورا نہ ہو گا یا اس میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔ ایسے ہی موقعوں کے لیے یہ محاورہ بولا جاتا ہے۔

(2) بلّی کا گُو نہ لیپنے کا نہ پوتنے کا: دیہات کے گھروں میں لوگ اپنے کچے فرش اور دیواروں کو گیلی مٹی میں گائے یا بھینس کا گوبر اور کچھ بھوسا ملا کر ہاتھ سے لپائی اور پتائی کرتے تھے لیکن بلّی کا فضلہ (پاخانہ) بدبودار ہونے کی وجہ سے اس قسم کے کسی کام میں نہیں لایا جا سکتا اس لیے یہ محاورہ کسی

ایسے شخص کے نکمے پن کو ظاہر کرنے کے لیے بولا جاتا ہے جو نہ محنت مزدوری کر کے کچھ کمائی کرتا ہے اور نہ ہی گھر کے دیگر کاموں کی ذمے داری نبھاتا ہے بلکہ صرف مٹر گشتی کرتا رہتا ہے۔

(3) بلّی کو خواب میں چھیچھڑے ہی نظر آتے ہیں: جب کوئی شخص ہر وقت اپنے فائدے یا مطلب کی باتوں میں ہی منہمک رہتا ہے اور سوتے جاگتے اُسی کی پلاننگ کرتا رہتا ہے تب یہ محاورہ بولا جاتا ہے۔

(4) بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا: جب کوئی من پسند چیز بغیر محنت ومشقت کیے ہاتھ آجاتی ہے تو یہ محاورہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس محاورے کے ساتھ یہ حکایت جُڑی ہوئی ہے کہ کسی دیہات کے ایک گھر میں کسی عورت نے گوشت پکا کر ہانڈی کو ایک رسی کے بنے چھینکے میں رکھ کر کھونٹی سے لٹکا دیا تاکہ کتّا یا بلّی سے گوشت کا سالن محفوظ رہے۔ گوشت کی ہانڈی سے نکلنے والی خوشبو سونگھ کر وہاں پلی ہوئی ایک بلّی چھینکے کے نیچے آکر کھڑی ہوگئی اور دل ہی دل میں دعا کرنے لگی کہ اے خدا! تو، کسی طرح مجھے گوشت کھلانے کا انتظام کر۔ بلّی کی قسمت (ہندی میں بھاگ) اچھی تھی کہ اسی وقت ہوا کا زوردار جھونکا آیا چھینکا پُرانا تھا اور اُس کی رسی کمزور ہو چکی تھی لہٰذا آندھی کے جھونکے کو برداشت نہ کر سکی اور ٹوٹ گئی۔ ہانڈی گرنے سے گوشت کی بوٹیاں نکل کر زمین پر پھیل گئیں۔ جب تک گھر والی اٹھ کر وہاں آئی اس وقت تک بلّی کئی بوٹیاں کھا چکی تھی۔

(5) بلّی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے: اس محاورے کا مطلب ہے کہ کسی ظالم کے ظلم کے خلاف کون آواز اُٹھانے کی ہمت کر سکتا ہے۔ اس محاورے کے ساتھ جو فرضی حکایت جڑی ہوئی ہے اُس کی تفصیل سناتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔ آپ تو سمجھ دار ہیں، سمجھ ہی گئے ہوں گے۔

(6) کھسیانی بلی کھمبا نوچے: یہ محاورہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص اپنی کسی غلطی کی وجہ سے نقصان اُٹھاتا ہے اور شرمندہ ہو کر اپنا غصہ کسی دوسری چیز پر اُتارتا ہے۔

(7) ہماری بلی ہمیں سے میاؤں: اس محاورہ کا استعمال اس وقت کیا جاتا ہے جب کوئی شخص اپنے کسی عزیز یا قریبی تعلق والے پر کافی احسان کر چکا ہو اور پھر کسی وقت وہ آدمی جس پر احسان کیا گیا تھا اپنے محسن کے مقابلے پر آ جائے۔

(8) نو سو (900) چوہے کھا کر بلی حج کو چلی: اس محاورے کو لوگ کسی ایسے شخص پر طنز کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں جو کافی عرصے تک غلط حرکتیں اور گناہ کے کام کر چکا ہو اور پھر پرہیزگار بن جائے اور پرہیزگاری کا دکھاوا بھی کرے۔

آپ خود غور کر لیں کہ اوپر بیان کیے گئے لگ بھگ بھی محاورے انسان کی اپنی غلط حرکتوں سے تعلق رکھتے ہیں لیکن آپ کے بزرگوں نے اُن حرکتوں کو بیان کرنے کے لیے نام میرا بدنام کیا ہے۔ آپ بتایئے کہ خود سے منسوب ان محاوروں کو سُن کر میرے دل کی کیا حالت ہوتی ہو گی چلیے میں اپنا درد و غم دور کرنے کے لیے اپنی اور آپ کی توجہ کچھ دلچسپ معلومات کی طرف موڑتی ہوں۔

1- جب میں کسی چوہے کا شکار کرتی ہوں تو اس کو ایک دم سے ہلاک نہیں کرتی بلکہ کچھ دیر اس کے ساتھ کھیلتی ہوں۔ ایک دو مرتبہ جھنجھوڑ کر یا نوچ کر چھوڑ دیتی ہوں۔ جب وہ بھاگنے کی کوشش کرتا ہے تب اس کو دوبارہ دبوچ لیتی ہوں۔

2- حالانکہ میرا شمار بھی سائنسدانوں نے انسانوں کے ساتھ دودھ پلانے والے جانوروں کے زمرے میں کیا ہے لیکن انسان کے بچے کو ماں کے پیٹ سے دنیا میں آنے میں

لگ بھگ نو ماہ کا وقفہ لگتا ہے جب کہ میرا بچہ پچاس دن سے زیادہ وقت نہیں لیتا۔

3- انسانوں میں یہ رواج ہے کہ ماں لگ بھگ دو سال تک بچوں کو اپنا دودھ پلاتی ہے ہم بلیاں اپنے بچوں کو زیادہ سے زیادہ چھ ماہ تک دودھ پلاتی ہیں اور اس دوران انھیں شکار کرنے کا طریقہ بھی سکھاتی رہتی ہیں۔ جب وہ خود شکار کرنے کے اہل ہو جاتے ہیں تب ہم مطمئن ہو کر اُن سے بے پرواہ ہو جاتی ہیں۔

4- کسی عورت کے یہاں ایک بچے کی ولادت کے بعد دوسرے بچے کی آمد ہونے میں کم سے کم سال بھر کا وقفہ لگ جاتا ہے اور ایک وقت میں زیادہ تر ایک ہی بچہ پیدا ہوتا ہے۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کسی عورت کے یہاں ایک ہی وقت دو یا تین بچوں کی ولادت ہو جب کہ ہمارے یہاں سال میں دو مرتبہ چار چار اور پانچ پانچ بچوں کی پیدائش ہوتی ہے۔ آپ

ہی بتاتا ہے کہ اس معاملے میں انسان مجھ سے کم تر ہے یا نہیں۔

5- انسانوں کی اوسط عمر ساٹھ (60)۔ پینسٹھ (65) برس ہوتی ہے لیکن ہماری اوسط عمر دس (10) سے چودہ (16) سال تک ہی ہوتی ہے۔

6- ہمارے اگلے پنجوں میں پانچ نوکیلے ناخن ہوتے ہیں جب کہ پچھلے پنجوں میں چار ہی ناخن ہوتے ہیں۔ یہ ناخن گدی نما انگلیوں کے اندر چھپے رہتے ہیں جو ضرورت پڑنے پر باہر نکال لیے جاتے ہیں۔

7- انسانوں کی طرح ہمارا خون بھی اے (A) اور بی (B) گروپ کا ہوتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ہم انسانوں کے ساتھ رہنا پسند کرتی ہیں اور انھیں کی طرح گوشت خور ہیں۔

8- ہم بلیاں بھی انسانوں کی طرح انگڑائی لیتی ہیں۔

9- قدرت نے انسانوں کا دل بہلانے کے لیے ہم بلیوں کو سفید، کالے، بھورے کئی رنگوں میں پیدا کیا ہے اور اگر ماں دباپ علاحدہ علاحدہ رنگ کے ہوتے ہیں تو ہمارے بچوں کے جسموں پر دونوں رنگوں کی دھاریاں اور دھبے حتیٰ کہ دم پر بھی رنگین چھلے ظاہر ہوتے ہیں جس کی بنا پر بچوں کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے۔

اب رخصت ہونے سے قبل آپ کو یہ بھی بتادوں کہ اُردو کے بہت سے شاعروں نے ہم بلیوں پر نظمیں وغیرہ کہہ کر ہماری عزت افزائی کی ہے۔ چنانچہ میری اپنی زبان میں بریلی کی شاعرہ شگفتہ غزل صاحبہ نے بڑی عمدہ نظم اور بھوپال کے بزرگ شاعر ظفر نسیمی صاحب نے بڑا اچھا قطعہ کہا ہے۔ جب کہ سیوان کے نوجوان شاعر التفات امجدی صاحب نے رباعی تخلیق کی ہے، ملاحظہ فرمائیں: (نظم)

جب غضب میں تھی رانی
سدا کروں اپنی من مانی
میں شیروں کی خالہ ٹھہری
کروں بڑی میں سازش گہری
دبے پاؤں جھٹ سے آجاؤں
گھر کے چوہے چٹ کرجاؤں
ہاتھی راجہ مجھ سے ہارے
بھاگ گئے سب ڈر کے مارے

(شگفتہ غزل)

قطعہ

یہ نہ سمجھو کہ شیخ چلی ہوں
شیر کی خالہ ہوں میں بلی ہوں
مجھ سے بے شک بہت بڑے ہیں مگر
ہاتھیوں کی اڑاتی کھلی ہوں

(ظفر نسیمی)

رباعی

میں نے پالی اجلی کالی بلی
موٹی تازی بھولی بھالی بلی
وقت آئے تو ہاتھی سے لڑجائے
بڑی جیسی مونچھوں والی بلی

(التفات امجدی)

■

Dr. Shamim Ahmed Siddiqui
Naseem Manzil, Madah Ganj, Police Chowki,
Seetapur Road, Lucknow - 226020 (UP)

چاہت چائے کی

منظور پروانہ

"جہاں چاہ وہاں راہ" یہ کہاوت بزرگوں سے سنتے چلے آرہے تھے مگر دورِ حاضر میں چائے کا رواج اتنا عام ہوگیا ہے کہ ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ چاہ کی جگہ چائے کو ہماری زندگی میں اہمیت حاصل ہوتی جارہی ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگر ایک طرف چائے کی پیالی میں طوفان برپا کیا جاسکتا ہے تو دوسری طرف چائے کی دعوت سے بڑے سے بڑے مسائل کا حل دریافت کیا جاسکتا ہے۔ اب تو ہر مہمان وہ چاہے جس قدر و منزلت کا ہو اس کی ضیافت چائے سے ہی کی جاتی ہے۔ شہروں کی بات تو جانے دیجیے اب تو ان مواضعات، قصبات اور دیہات میں بھی چائے ایک عام چیز بن گئی ہے۔ جہاں کبھی دودھ، لسی اور شربت ہی کو مشروبات کا درجہ حاصل تھا یعنی چائے اب ہماری زندگی میں اس قدر دخیل ہوگئی ہے کہ اس کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں۔ بیڈ ٹی سے رات گئے تک یہ چائے کسی کے ساتھ غمِ جاناں کی طرح تو کسی کے ساتھ غمِ دوراں کی طرح چپکی رہتی ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اس دشمنِ جانی نے ہماری زندگی میں یہ مقام کس طرح حاصل کرلیا۔ کیونکہ ہمارے بچپن تک یہ بیماری صرف اور صرف شہروں تک محدود تھی مگر اب یہ وبا اس قدر عام ہوگئی ہے کہ اس سے ملک کا انتہائی پسماندہ علاقہ بھی محفوظ نہیں ہے۔ ہمارے وطن عزیز میں اس کی آمد لگ بھگ ڈیڑھ سو سال پہلے ہوئی۔ جبکہ اس کی شروعات چین سے ہونا بتائی جاتی ہے اور اس کی تاریخ لگ بھگ پانچ ہزار سال پرانی ہے۔

چائے کی شروعات کے سلسلے میں بھی ایک دلچسپ کہانی بتائی جاتی ہے۔ وہ کہانی کچھ اس طرح ہے کہ چین کا ایک بادشاہ جس کا نام شین ننگ تھا۔ ایک دفعہ کسی ضرورت کے تحت گرم پانی پیتے ہوئے اپنے باغیچے میں چہل قدمی کررہا تھا۔ اچانک تیز ہوا چلنے سے ایک جنگلی جھاری کی کچھ پتیاں اڑ کر اس کے گرم پانی کے پیالے میں گرگئیں۔ گرم پانی میں پتیوں کے گرنے سے پانی کا رنگ تبدیل ہونے کے ساتھ اس میں ایک مہک سی اٹھنے لگی۔ بادشاہ نے خوش ہوتے ہوئے اس کا ایک گھونٹ لیا۔ بادشاہ کو اس کا ذائقہ اتنا اچھا لگا کہ وہ خوشی سے چلانے لگا۔ اس طرح چائے کی ایجاد ہوئی۔

چین سے یوروپ تک اس کے سفر کے سلسلے میں حقائق اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ سب سے پہلے 1615 میں کچھ ڈچ سوداگر اس چائے کو چین سے یوروپ لے گئے۔ پھر دھیرے دھیرے یہ پوری دنیا میں پھیل گئی۔ ہمارے ملک میں ایک زمانے تک چائے کو دوا کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا اس زمانے میں چائے کی کاشت نہیں ہوتی تھی بلکہ پہاڑی علاقوں میں یہ خودرو پیڑ کی طرح اُگ آتے تھے۔

برصغیر میں چائے کو مقبول بنانے کا سہرا بھی انگریزوں

دیتے ہیں۔ چائے کے پیڑوں کو تراش کر اس کی اونچائی کو بڑھنے سے روکا جاتا ہے تاکہ پتیاں توڑنے میں آسانی رہے۔ اگر چائے کے پیڑوں کو تراشا نہ جائے تو ان کی اونچائی بہت بڑھ جاتی ہے۔

ہمارے ملک میں بھی چائے کی کاشت خوب ہوتی ہے۔ آسام ہمارے ملک میں چائے پیدا کرنے والا سب سے بڑا صوبہ ہے۔ اس کے علاوہ دارجلنگ، ہمالہ کی ترائی، مغربی بنگال، کرناٹک اور تمل ناڈو میں بھی چائے کی کاشت

کے سر بندھتا ہے کیونکہ ہندوستان میں چائے بگان بنا کر باقاعدہ کاشت کا کام ایسٹ انڈیا کمپنی نے شروع کیا۔ 1937 میں پہلا چائے بگان آسام میں قائم کیا گیا۔

آپ کو یہ جان کر شاید حیرت ہو کہ چائے کے پیڑ کی عمر عموماً سو سال ہوتی ہے لیکن زیادہ عمر کے پیڑوں میں یہ خرابی پیدا ہو جاتی ہے کہ ان کی پتیوں کے ذائقہ میں کڑواپن آ جاتا ہے۔ لہٰذا عام طور پر چائے بگان کے مالکان پچاس ساٹھ کے بعد پرانے پیڑوں کو اکھاڑ کر پھینک دیتے ہیں اور نئی پودھ لگا

کی جاتی ہے۔ دنیا کے مختلف ممالک میں بھی چائے کی کاشت ہوتی ہے۔ جس میں چین، جاپان، سری لنکا، کینیا، جاوا، سماترا، تائیوان اور انڈونیشیا خاص ہیں۔

ہمارے ملک میں 1953 میں 'ٹی بورڈ' کا قیام عمل میں آیا جس کی بدولت نہ صرف اندرونِ ملک بلکہ بین الاقوامی بازار میں بھی چائے کی تجارت کو فروغ حاصل ہوا۔

■

Manzoor Parwana,Chiken Shopi
Nazeerabad, Lucknow - 226018 (UP)

عظیم اقبال

آگ — قدرت کا نایاب تحفہ

موسم سرما میں ہم گرم رہ سکیں اور ہمارا کھانا پک سکے— اس کے لیے ہمیں آگ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ہمارے لیے اس قدر اہم ہے کہ اس سے کبھی دستبردار نہیں ہوسکتے۔ آگ کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ مفید ہے، اس لیے ہماری ضرورت ہے۔

جب ابتدائی ادوار میں آدمی نے آگ کی دریافت کی، نیز اسے اپنی ضروریات کے لیے استعمال کیا۔ اس نے اسے بنی نوع کے لیے سب سے بڑی سوغات جانا۔ آگ نے نہ صرف اُسے جنگلی جانوروں سے محفوظ بنا دیا، بلکہ اس کے کھانے کا ذائقہ بھی بدل دیا۔ اتنا ہی نہیں، آگ نے اُسے سردی کے عذاب سے بھی تحفظ دیا— ہماری بیشتر مشین مختلف ایندھنوں کے جلنے سے چلتی ہیں... لیکن آگ ہے کیا؟

ہندوستانی گھرانوں میں آگ کو متبرک سمجھا جاتا ہے۔ کچھ قومیں، جیسے پارسی، آگ کی پرستش کرتی ہیں— ان کے معبد میں آگ کبھی نہیں بجھتی یہ ہمیشہ سلگتی رہتی ہے۔

چیزیں کیسے جل اٹھتی ہیں اور حرارتی توانائی کہاں سے آتی ہے؟ یہ سوچنے کی بات ہے۔ آیئے اس پر غور کریں۔

اٹھارہویں صدی کے خاتمے تک ان سوالات کے جوابات معلوم نہ تھے۔ بہرحال، آج کا سائنس ان سوالوں کے جواب دے سکتا ہے۔ آج کے سائنس کے پاس ان سوالوں کے تشفی بخش جواب موجود ہیں۔

ایک فرانسیسی سائنس داں انتوآئنے لوائزر (Antoine Lavoiser) نے کئی تجربات کیے تاکہ آگ کی نوعیت سمجھ میں آسکے۔ اس کی تشریح اب مشکل نہیں رہی۔

آج، جیسا کہ ہم جانتے ہیں، آگ نتیجہ ہے، اس کیمیائی ردعمل کا جو ایندھن اور آکسیجن کے درمیان وقوع پذیر ہوتا ہے۔

اس قسم کے ردعمل میں دو جوہر (Substance) یکجا ہوکر ایک یا مزید جوہر کی شکل لے لیتے ہیں۔ عام ایندھن، جیسے لکڑی، کوئلہ اور پٹرول خصوصیت سے کاربن اور ہائڈروجن سے مل کر بنے ہوتے ہیں— جب وہ جلتے ہیں، آکسیجن، کاربن کے ساتھ مل کر کاربن ڈائکسائڈ بناتا ہے اور

ہائڈروجن کے ساتھ مل کر پانی بناتا ہے۔

کسی بھی شعلے (Flames) میں کاربن کے ذرّات، جو ایندھن اور ذرّات سے اٹھتے ہیں، گرم گیسوں سے مل کر سرخ اور گرم بن جاتے ہیں۔ یہ آسان سے دکھائی دیتے ہیں۔

اب اگلا سوال جو ذہن میں پیدا ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ چیزیں جلتی کیسے ہیں۔ ایندھن کو جلنے کے لیے ایک متعین حرارت تک لانا لازمی ہے۔ اسے سلگنے کا نقطہ (Ignition Point) کہتے ہیں۔ اس حرارت پر ایندھن جلتی ہے۔ اس طرح جلنے سے اتنی حرارت پیدا ہوجاتی ہے کہ آگ جلتی رہے، یا بنی رہے۔ اس وقت تک، جب تک کہ ایندھن کی ساری، مقدار صرف نہ ہوجائے۔

اب آگے یہ جاننا ہے کہ افروختگی (Combustion) کے دوران حرارت کیونکر پیدا ہوتی ہے۔ آکسیجن کے سالمے (Molecules) ایندھن کے سالموں (Molecules) کو توڑتے ہیں اور اس کے ریزوں کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ آکسیجن کے ذرّات اور ایندھن کے ذرات کے ٹکڑوں (Fragments) کے اجتماع سے جس توانائی کا اخراج ہوتا ہے۔ وہی حرارت ہے۔

یاد رکھیں کہ افروختگی کے دو اقسام ہوتے ہیں۔ اوّل، آہستہ رو (Slow) اور دوئم تیز رَو (Rapid) تیز رو افروختگی میں حرارت اور روشنی دونوں کی افزائش ہوتی ہے۔ ایندھن کے جلنے کا عمل اس کی ایک مثال ہے۔ آہستہ رو افروختگی میں آکسیجن سے مرکب بننے (Oxidation) کا عمل دھیما ہوتا ہے۔ اس عمل میں حرارت کی پیدا شدہ مقدار کرۂ ارض (Atmosphere) میں Radiate ہوتی ہے، یعنی نور پھیلاتی ہے۔

آہستہ رَو افروختگی میں شعلہ نہیں پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح کی افروختگی ہمارے جسم کے اندر کھانا ہضم ہونے کے دوران عمل پذیر ہوتی ہے۔

کھانا ہضم ہونے کے دوران جو توانائی پیدا ہوتی ہے، جسم کو گرم رکھنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ کسی جوہر (Substance) کے جلنے کے نتیجے میں جو مادہ حاصل ہوتا ہے، جیسے راکھ، گیس، دھواں، وہ اس ابتدائی شے کے وزن سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ افروختگی کے دوران آکسیجن کے وزن کا اس میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

دوستو! چیزوں کو صرف دیکھ کر رہ جانے سے اس کی حقیقت ہم نہیں جان پاتے۔ سائنس کے وسیلے سے اس چیز کی اصلیت تک پہنچنے میں مدد ملتی ہے۔ اس سے مشکل چیز بھی سہل بن جاتی ہے!

■

Azim Iqbal
Adabistan, Ganj No-1
Bettiah - 845438 (Bihar)

فیئری کوئین

محمد سراج عظیم

بس جیسے ہی ریل میوزیم کے گیٹ پر رُکی میڈم کھڑی ہوکر بولیں چلو بچو! سب لوگ ایک ایک کر کے لائن سے اترو۔ سارے بچے اترنے لگے میوزیم کے گیٹ پر سب سے آگے دوسری میڈم کھڑی تھیں وہ سارے بچوں کو ریل میوزیم کے گیٹ سے اندر لے گئیں۔ میڈم پھر بولیں "سب بچے آگئے؟ کوئی رہ تو نہیں گیا؟" سب بچے بولے "یس میڈم سب آگئے۔" آج سارے بچے اسکول سے پکنک پر ریل میوزیم گھومنے آئے تھے۔ یہ ریل میوزیم انڈین ریلویز کی طرف سے نئی دہلی کے چانکیہ پوری علاقے میں قائم کیا گیا تھا۔ یہاں بہت سے پرانے انجن، راجا مہاراجاؤں اور نوابوں کے سفر کرنے کے خاص سیلون تھے۔ میوزیم میں ایک فوٹو گیلری بھی تھی جس میں جب سے ہندوستان میں ریل

چلنا شروع ہوئی تب سے اب تک کے فوٹو تھے اور طرح طرح کی کھلونوں کی طرح چھوٹی چھوٹی ریلیں اور اسٹیشن بھی بنے ہوئے تھے۔ میوزیم کے بیچ میں کھانے پینے کا ریسٹورینٹ بھی تھا۔ ہاں ایک چیز تو بتانا بھول ہی گیا بچوں کے لیے ایک ٹوائے ٹرین بھی تھی جس میں سارے بچوں نے پورے میوزیم کا چکر کاٹا۔ سارے بچوں کو بہت مزا آیا۔ راجو کو بھی بڑا مزہ آیا۔

ریل میوزیم کے لان پر سارے بچے کھڑے تھے۔ ساری میڈمز تھیں۔ تبھی ہیڈ مسٹریس میڈم بولیں ''دیکھو بچو! آج ہم اپنے دیس میں چلنے والی ٹرینوں کے بارے میں جانیں گے۔ یہاں تمھیں ٹرینوں کے بارے میں بہت سی باتیں معلوم ہوں گی۔ یہاں ایک انجن ایسا بھی ہے جس کا نام Guinness Book of World Records میں درج ہے۔ ہم سب پہلے اس کو ہی دیکھیں گے۔ سارے بچے تیار ہیں۔ وہ دیکھو اس انجن کا گھر وہ سامنے ہے۔ وہاں شیڈ کے نیچے وہ انجن کھڑا ہے۔ چلو بچو سب لائن بنا کر اس طرف چلو۔'' سارے بچے اس طرف چل دیے راجو بھی ان بچوں میں تھا۔

سب لوگ جب اس شیڈ میں اکٹھے ہو گئے۔ تب میڈم نے ایک بار پھر بتانا شروع کیا ''ہرے اور کالے رنگ کا بہت خوبصورت سا انجن جس میں سب سے آگے دھواں چھوڑنے کے لیے ایک بڑی موٹی سی نلی لگی ہوئی تھی۔ بچوں اس انجن کا نام فیئری کوئین (Fairy Queen) ہے۔'' میڈم نے بتایا۔ راجو یہ نام سن کر چونک گیا۔ ''یہ انجن ہے اور اس کا نام لڑکیوں

والا "پریوں کی رانی" ارے یہ کیا نام ہوا۔" اس بیچ میں میڈم نے انجن کے بارے میں کیا کیا بتا دیا راجو کو کچھ پتہ نہیں چلا وہ تو بس انجن کے نام پر غور کرتا رہا تبھی اس کے کانوں میں میڈم کی آواز آئی "تو بچوں تمھیں پتہ چلا فیئری کوئین کے بارے میں چلو اب فوٹو گیلری کی طرف چلتے ہیں۔" سارے بچے اور میڈمز گیلری کی طرف چل دیے۔ راجو سب سے پیچھے رہ گیا۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا ہوا چل رہا تھا۔ تبھی اس کے کانوں میں ایک آواز آئی۔

"شی شی!" وہ چونکا یہ کس نے آواز نکالی میڈمز اور اس کے سارے ساتھی تو آگے جا رہے تھے۔

دوبارہ پھر ایک سیٹی کی آواز آئی "شوں شوں" اس نے پھر چونک کر ادھر ادھر دیکھا اور کان کھجانے لگا۔

"اے چھوٹو ماسٹر! اِدھر اِدھر! دیکھو میں بول رہا ہوں فیئری کوئین۔"

"ہاں! تم بولتے بھی ہو فیئری کوئین؟" راجو نے آنکھیں حیرت سے پھیلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں میں تم جیسے پیارے بچوں سے بولتا بھی ہوں۔ تم میرے بارے میں جاننا چاہتے ہو نا۔"

"ہاں میں یہی تو کہہ رہا تھا۔ تم کہاں سے آئے ہو۔ تم تو انجن ہو لیکن تمھارا نام تو لڑکوں والا ہے۔ یہ کس نے رکھا۔"

"ارے چھوٹو ماسٹر تمھیں نام سے کیا مطلب بہت سے نام عام ہوتے ہیں جو لڑکوں کے بھی ہوتے ہیں اور لڑکیوں کے بھی جیسے میں تمھیں بتاؤں نسیم اور مہتاب' اب بتاؤ یہ کیا بات ہوئی۔ اچھا چھوڑو۔ میں تمھیں اپنے بارے میں بتاتا ہوں۔"

فیئری کوئین نے کہا۔

''ہاں ہاں بتاؤ میں وہی تو معلوم کر رہا ہوں۔''

''تمھیں سب سے پہلے تو یہ بتا دوں میں پوری دنیا میں سب سے پرانا انجن ہوں جو ابھی بھی اپنے ساتھ ڈبے لے کر چھوٹی لائن پر دوڑتا ہے۔''

''ارے رکو تو بولے جا رہے ہو۔ چھوٹی لائن کا کیا مطلب ہے۔'' راجو نے پوچھا۔

''ہمارے دیش میں ریلیں دو لائنوں پر چلتی ہیں، ایک براڈ گیج یعنی بڑی لائن، دوسری نیرو گیج یعنی چھوٹی لائن تو میں اس چھوٹی لائن کی بات کر رہا ہوں۔ اب ہمارے یہاں بہت کم چھوٹی لائنیں رہ گئی ہیں۔''

''اچھا۔'' راجو نے سر ہلاتے ہوئے فیئری کوئین سے کہا ''اچھا تم آئے کہاں سے تھے؟''

''اب تم سنو تو، وہ میں تمھیں بتا رہا ہوں۔ مجھے ہندوستان کی ایسٹ انڈین ریلوے نے انگلینڈ کے شہر لیڈز کے ایک انجن بنانے کے کارخانے کِٹسن تھامسن اور ہیوٹسن کارخانے میں سنہ 1855 میں بنوایا تھا اور میں اسی سال پانی کے جہاز سے کلکتہ پہنچ گیا۔ آج کل اس کو کولکاتا بولا جاتا ہے۔''

''ارے باپ رے تم اتنے بڑے ہو اور بھاری بھی۔ تمھیں پانی کے جہاز میں بیٹھتے ہوئے ڈر نہیں لگا اور اتنے بڑے سمندر میں بھی ڈر نہیں لگا مجھے تو بہت ڈر لگتا ہے۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں پاپا کے ساتھ ممبئی گیا تھا وہاں گیٹ وے آف انڈیا پر اسٹیمر میں بیٹھ کر سمندر کی سیر کی تھی۔''

''نہیں نہیں تم ڈرپوک ہو مجھے تو سمندر میں بہت مزہ آیا تھا۔ ہاں میرا وزن 26 ٹن ہے اور دو ٹن کوئلے کا وزن اس کے علاوہ نیچے دو سلنڈروں میں تین ہزار لیٹر پانی ہوتا ہے اور اس کے علاوہ میرے چھ پہیے ہیں دو آگے کے چھوٹے چھوٹے پیچھے چار بڑے پہیے۔ یہ آگے جو سلنڈر کی طرح بھٹی ہے اس میں کوئلہ جلایا جاتا ہے اور پانی سے بھاپ بنتی ہے جس سے میں چلتا ہوں۔'' فیئری کوئین نے بتایا۔

''اچھا تم بھاپ سے چلتے ہو۔ ہاں جبھی تمھاری اس نلی میں سے دھواں نکلتا ہوگا۔ جب تم کلکتہ آئے تھے تو کون سی لائن پر چلتے تھے۔'' راجو نے فیئری سے پوچھا۔

''سنو چھوٹو ماسٹر اب تمھیں میں اپنے نام کے بارے میں بتاتا ہوں میں جب کلکتہ پہنچا تو مجھے فلیٹ نمبر 22 کا نام دیا گیا جو سنہ 1895 تک چلتا رہا اس کے بعد مجھے فیئری کوئین کہا جانے لگا۔ میں سب سے پہلے ہاوڑا سے رانی گنج کے بیچ چلتا تھا۔ اس کے بعد میں بہار میں 1909 تک چلتا رہا۔ اس کے بعد کچھ دنوں کے لیے میں مراد آباد کے پاس چندوسی اسٹیشن پر رہا جہاں مجھے نئے ڈرائیوروں کو ٹریننگ دینے کے لیے دکھایا جاتا تھا اس کے بعد میں اگلے 43 سال تک ہاوڑہ کے اسٹیشن کے باہر کھڑا رہا۔''

"ارے کیوں؟ فیئری تم سے کیا غلطی ہوگئی تھی؟ جو تمھیں کھڑے ہونے کی سزا دے دی گئی۔" راجو نے حیرت سے پوچھا۔

"ارے چھوٹو تمھیں کیا بتاؤں مجھے بھی آج تک پتہ نہیں، ایسا کیوں کیا گیا۔" فیئری کوئین نے جواب دیا۔ کوئین افسردہ ہوتے ہوئے کہنے لگا۔ راجو بھی افسردہ ہوگیا۔

"ارے چلو کوئی بات نہیں۔" راجو نے اس کو ڈھارس بندھائی۔

"ہاں آگے بتاؤ اور کیا ہوا؟" راجو نے بہت تجسس سے فیئری سے پوچھا۔

"ارے چھوٹو ماسٹر تم نے تو مجھے تھکا دیا لیکن اب میں تمھیں بتاتا ہوں 43 سال کھڑے رہنے کی سزا کے بعد مجھے کیا انعام ملا۔ مجھے سنہ 1972 میں ملک کی وراثت (Heritage) کا ایک حصہ بنا دیا گیا اور میرے لیے یہاں ایک خوبصورت شیڈ بنایا گیا۔ اس کے بعد تمھیں معلوم ہے کیا ہوا۔ مجھے دوبارہ یہاں سے نکالا گیا بہت سے لوگ مجھے دیکھنے آئے اور مجھے چاروں طرف سے گھوم پھر کر دیکھنے لگے۔ وہ لوگ چلے گئے اور پھر معلوم ہے صبح میں کیا ہوا؟ ہندوستان اور دنیا کے سارے اخباروں میں میرا فوٹو چھپا تھا میں پوری دنیا میں اکیلا انجن تھا جو اتنا پرانا ہونے کے بعد بھی پٹریوں پر چل رہا تھا۔ میرا نام Guinness Book of world Records میں شامل کیا گیا تھا۔ اس کے بعد میں پوری دنیا میں مشہور ہوگیا۔ اب تو سارے لوگ مجھے دیکھنے کے لیے آنے لگے۔ مجھے تو بھئی اتنے بہت سے لوگوں کو دیکھ کر بہت شرم آئی تھی۔"

"ارے کیوں یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔"

"ارے چھوٹو ماسٹر تمھیں معلوم ہے سنہ 1997 میں مجھے دوبارہ چھوٹی لائن پر لایا گیا اور میرے ساتھ چار ڈبے لگا دیے گئے۔ اب میں دہلی، نئی دہلی سے راجستھان میں سرسکا شینگھری تک دوڑنے لگا۔ میری رفتار چالیس کلومیٹر فی گھنٹہ سے ہوتی ہے۔ ارے یار چھوٹو ماسٹر اب تمھیں آخری بات بتاتا ہوں کہ میں دنیا کا اکیلا انجن ہوں جو اتنا پرانا اور بوڑھا ہونے کے بعد بھی پورے 88 سال کے بعد پٹریوں پر دوڑ رہا ہوں۔ بس اب میری کہانی ختم ہوئی۔"

"ارے یار فیئری کوئین! تم تو بہت ہی اونچی شخصیت ہو۔ میں بھی تمھارے جیسا بننا چاہتا ہوں میں بھی اپنا نام Guinness Book of World Records میں درج کرانا چاہتا ہوں۔ کیسے ہوگا یہ سب مجھے بتاؤ نا؟"

"دیکھو چھوٹو بھائی صرف ایک منتر بتاتا ہوں۔ وہ ہے صرف محنت، محنت اور صرف محنت۔" فیئری نے بہت سنجیدگی سے کہا۔

"آج سے میں ایسا ہی کروں گا ارے یار فیئری کیا میں تمھارے ساتھ فوٹو کھنچوا سکتا ہوں؟"

"ارے راجو تم یہاں کیا کر رہے ہو ہم سب تمھیں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔" وہ ایک دم چونک پڑا اس کی میڈم اس کی طرف غصے میں آ رہی تھیں۔ چلو سارے بچے بس میں بیٹھ گئے۔ راجو میڈم کے ساتھ فیئری کوئین کو ہاتھ ہلا کر بائے بائے کرنے لگا اور میڈم کے ساتھ چل دیا۔

■

Muhammad Siraj Azeem, A-47
Zakir Bagh, Opp. Surya Hotel
Okhla Road, New Delhi - 110025

غضنفر

آرزو

ڈھم ڈھم ڈھم ڈھولک باجے — بھابھی ناچے بھیا ناچے
چھم چھم چھم بھالو ناچے — تاتا تاتا تھیا ناچے
ٹھمک ٹھمک کر مادھو ناچے — گورا ناچے کالا ناچے
مٹک مٹک کر راگھو ناچے — دھرتی کا دل والا ناچے
چھوٹا بھیا بھولو ناچے — گھنگرو چھن چھن چھن ناچے
ہر پنجرے کا مٹھو ناچے — چوڑی ناچے، کنگن ناچے
سونڈ اُٹھا کر ہاتھی ناچے — ننھی بھی تو پائل باندھے
ہاتھی کا ہر ساتھی ناچے — اپنے ننھے پاؤں کو سادھے
ڈن ڈن کرکے گھوڑا ناچے — مٹک مٹک کر چھم چھم ناچے
گھوڑے کا ہر جوڑا ناچے — پاؤں پٹک کر دھم دھم ناچے

ایسا کوئی موسم آئے
مستی میں ہر من لہرائے

■

Ghazanfar
Acadmy Baraye Faroghe-Istedad
Urdu Medium Asataza, Jamia Millia Islamia
New Delhi - 110025, Mob.: 9990237388

فردوس بانو فلاحی

سردی آئی

ہُوہُو سی سی سردی آئی
گرم و اُونی کپڑے لائی
ٹھنڈے مشروبات گئے سب
کوفی گرما گرم پلائی
لسی، مٹھا سے ڈر لگتا
چائے کی بِکری نے قدر بڑھائی
سوئی لے کر چلی ہوائیں
ہاتھوں کی انگلی تھرّائی
ہیں ناکافی کوٹ اور صدری
سوئٹر کمبل اور رضائی
حاکمِ شہر کا فرماں سن کر
کوچے کوچے آگ جلائی
کٹتے بلّی چولھا ڈھونڈیں
اُوں اُوں کرکے رات بتائی
گیس کا چولھا جب سے آیا
کیسی کیسی شامت آئی
گھنے گھنے کہرے میں چھپ کر
سورج نے ہے لاج بچائی
کب نکلا سورج کب ڈوبا
کوئی بتائے مجھ کو بھائی
بجھ جائے جلدی چنگاری
سردی نے تاثیر دکھائی
لیکن دشمن کے سینے میں
آگ دہکتی میں نے پائی
دنیا کو فردوس بنا دے
ایسی شمع ہم نے جلائی

■

Firdaus Bano Falahi
A-187/3, IInd Floor, Shaheen Bagh
Okhla, New Delhi - 25

شیخ عبدالستار فیضی

میرے بھارت کی شان ہے اردو

میرے بھارت کی شان ہے اُردو
شاعری کی زبان ہے اُردو
رزم کی داستان ہے اُردو
ایکتا کا نشان ہے اُردو
عمر اس کی محیط صدیوں پر
آج تک بھی جوان ہے اُردو
زندہ تہذیب کی علامت ہے
ہند کی ترجمان ہے اُردو
اس کے دامن میں سب زبانیں ہیں
سب زبانوں کی کان ہے اُردو
میر، غالب، ظفر، ستارے ہیں
ضوفشاں آسمان ہے اُردو

دل سے دل کو ملاتی ہے فیضی!
عاشقوں کی زبان ہے اُردو

■

Abdus Sattar Faizi, Kadpa

جوابات

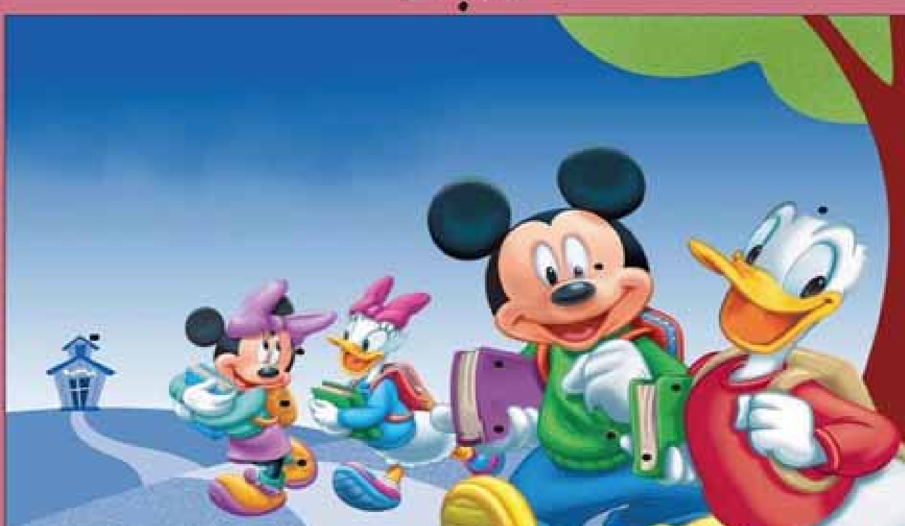

مرتضیٰ ساحل تسلیمی

فرماں برداری کا انعام

جب سے گلی میں بچوں نے کرکٹ کھیلنا شروع کیا تھا رحمت علی خاں کو اچھا محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ وہ گلی سے گزرتے تو بچوں سے کہتے ”بیٹا! اتنی دیر کے لیے رُک جاؤ کہ ہم نکل جائیں۔“ بچے کھیل روک دیتے اور خان صاحب کے مڑتے ہی پھر کھیل شروع ہو جاتا۔

بات صرف رحمت علی خاں کی ہی نہیں تھی۔ وہ تو ایک راستہ تھا.. اور وہ بھی زیادہ چوڑا نہیں تھا۔ ایک سمت نالی بھی تھی۔ بالنگ کرتے ہوئے یا پھر بیٹنگ کرنے والے کھلاڑی کے شارٹ مارنے سے گیند کسی بھی راہ گیر کے لگ سکتی تھی۔ کسی کا سر پھٹ سکتا تھا۔ گیند نالی میں جا کر ناپاک ہو جاتی اور وہ کسی کے کپڑوں پر لگ جاتی تو کپڑے گندے اور ناپاک ہو جاتے.... ایک دو بار ایسا ہوا بھی۔ ایک صاحب تو بچوں سے لڑنے اور انھیں برا بھلا کہنے پر آمادہ ہو چکے تھے۔ بعض محلے والوں نے بچوں کو سمجھایا مگر وہ سوری، سوری تو بول دیتے مگر کھیل برابر جاری رہتا۔

ایک دن رحمت علی خاں نے بچوں سے کہا ”بچو! ہماری بات سنو۔“ سب بچے ان کے پاس آ گئے تو وہ بولے ”بچے اگر پڑھتے لکھتے ہوں، بڑوں کا ادب کرتے ہوں تو ان کا کھیلنا برا نہیں لگتا۔ آپ سب بھی اچھے بچے ہو، مگر آپ جو کھیل یہاں کھیلتے ہو اُس کے لیے گلی مناسب نہیں ہے۔ اس لیے ہمارا مشورہ یہ ہے کہ گلی میں کرکٹ کھیلنا بند کر دو، ورنہ کسی دن آپ کے بڑوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑ سکتا ہے۔“

”تو پھر ہم کہاں کھیلیں انکل!“ ایک بچے نے بڑی مایوسی سے پوچھا۔

”سوچیں گے اس بارے میں۔ آپ بھی سوچیے۔“ رحمت علی خاں نے کہا۔ پھر بولے ”اچھا ایسا کرتے ہیں کہ کل اور پرسوں آپ گلی میں نہ کھیلیں اور کسی جگہ بیٹھ کر آپس میں مشورہ کریں۔ جب آپ کوئی بات طے کر لیں تو پھر پرسوں کے بعد یعنی بدھ کے دن عصر کے بعد ہمیں بتائیں کہ کیا طے کیا آپ سب بچوں نے۔ پھر ہم بھی اپنی رائے دیں

گے.... انشاءاللہ کوئی حل تو سامنے آئے گا ہی۔"

"ٹھیک ہے۔" بچوں نے اس دن کرکٹ نہیں کھیلا۔ خان صاحب نے دیکھا ان کے کہنے کے مطابق ہی بچوں نے عمل کیا۔

بدھ کی شام میں کرکٹ کلب کے آٹھ بچے ان کے ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے۔

"انکل! السلام علیکم

گڈ ایوننگ انکل

السلام علیکم، انکل!"

ایک کے بعد ایک نے سلام علیک کی۔

"وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔"

رحمت علی خاں نے اخبار اپنے سامنے سے ہٹا کر جواب دیا۔ اخبار میز پر رکھا اور بولے.... "آؤ بیٹھو بچو!.... آپ سب نے کیا سوچا؟"

"انکل! ہم نے بہت سوچا۔ آس پاس کوئی میدان ہے ہی نہیں۔" جاوید نے کہا۔

میں نے اپنے پاپا سے کہا تو وہ بولے۔ "سب سے قریب انگوری باغ کا میدان ہے مگر تم ابھی چھوٹے ہو۔ میں تمھیں وہاں بھی جانے نہیں دوں گا.... "یہ اختر تھے۔

"انکل! میں نے بھی ابو سے کہا آپ بتایئے ہم کہاں کھیلیں تو وہ بولے کھیلنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ آپ کی عمر کہیں جا کر کھیلنے کی نہیں ہے۔" اقبال نے انتہائی مایوسی سے کہا۔

خان صاحب مسکرائے اور کہنے لگے.... "آپ کے والدین آپ کو دور نہیں جانے دیں گے.... اور ٹھیک بھی ہے۔ اس لیے ہم ایسا کرتے ہیں کہ ایک میدان یہیں منگائے لیتے ہیں اس پر آپ کھیل لیا کیجیے گا۔"

خان صاحب کی اس بات پر نسیم بے اختیار ہنسنے لگا۔ دوسرے بچے بھی مسکرانے لگے جبکہ کچھ ہونقوں کی طرح کبھی خان صاحب کا اور کبھی اپنے ساتھیوں کا منہ تکنے لگے۔

”آپ میں سے کسی کو میری بات پر یقین نہیں آیا۔ آپ نے اسے مذاق سمجھا.... کیوں بھائی جاوید میاں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا!“ انھوں نے جاوید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اور جاوید بھی سر جھکا کر مسکرا دیئے۔

”انکل! میدان منگانے والی بات سمجھ میں آنے والی تو ہے نہیں۔“ فیصل نے بولنے کی ہمت کی۔

”جب میدان آجائے گا تب تو سمجھ میں آجائے گی نا!“ خان صاحب نے خود بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

اتنی دیر میں عبدل چاچا نے چائے کی ٹرے لاکر میز پر رکھ دی اور فوراً واپس ہوگئے۔ دوسری بار پھر ڈرائنگ روم میں ایک ٹرے میں بسکٹوں کی دو پلیٹیں رکھے ہوئے داخل ہوئے۔

”لو بچو! چائے پیو۔“

چائے کے دوران ہی خاں صاحب نے کہا ”میدان آنے میں دو سے تین دن لگ سکتے ہیں۔ آج بدھ ہے۔ کل سے سنیچر تک تین دن پورے ہوجائیں گے، اس لیے اب آپ سب ہم سے اتوار کی صبح میں نو بجے ملیں۔ انشاء اللہ آپ کے کرکٹ کھیلنے کے لیے میدان آچکا ہوگا.... اب آپ جاسکتے ہیں اتوار کی صبح میں آپ سب کا انتظار رہے گا.....“

اور بچے بے یقینی کی حالت میں وہاں سے رخصت ہوکر اپنے اپنے گھر آگئے۔

تین دن گزارنا بچوں کے لیے مشکل ہوگئے تھے۔ ان میں سے جب دو تین بچے آپس میں ملتے اسی پر تبادلۂ خیال کرتے کہ انکل کیا کریں گے..... وہ وعدہ خلافی نہیں کرسکتے۔ وہ ہمارے ساتھ ایسا مذاق بھی نہیں کرسکتے۔

آج اتوار تھا اور صبح کے 9 بجنے والے تھے۔ سبھی بچے آج چھٹی میں تھے۔ وہ سب جاوید کے یہاں اکٹھے ہوئے اور انکل کے یہاں پہنچ گئے۔

”السلام علیکم انکل!“ بہت سی آوازیں ایک ساتھ ہوئیں۔ خان صاحب ڈرائنگ روم میں اخبار پڑھ رہے

تھے۔ انھوں نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ اخبار میز پر رکھ کر مسکرائے اور بولے ''آ گئے آپ لوگ!'' پھر ڈرائنگ روم کی دہلیز سے اُتر کر نیچے آئے۔ سب بچوں سے مصافحہ کیا اور بولے.....

''آیئے میرے ساتھ''..... پھر عبدل چاچا سے کہا ''عبدل ڈرائنگ روم بند کرلو۔ ہم بچوں کو اُن کا کرکٹ میدان دکھانے لا رہے ہیں..... سمجھ گئے نا!''

''جی سمجھ گیا۔'' عبدل نے کہا اور ڈور بند کرلیا۔

خان صاحب بچوں کو لے کر حویلی کے پیچھے سرونٹ کوارٹرز کے گیٹ پر پہنچے۔ انھوں نے جوں ہی پھاٹک پر انگلی رکھی، عبدل چاچا نے گیٹ کھول دیا اور ایک طرف کو ہٹ گئے۔ بچوں نے دیکھا اور حیران رہ گئے۔ اُن کے سامنے خاصا بڑا میدان تھا۔ ''ارے واہ!'' نسیم کے منھ سے بے اختیار نکلا۔

''انکل تھینک یو۔'' کئی بچوں نے ایک ساتھ کہا۔

زمین پر چونے سے WELCOME لکھا ہوا تھا۔

''کیوں بھئی پسند آیا میدان؟'' خان صاحب نے مسکرا کر کہا تو سبھی نے کہا.....

''بہت پسند آیا انکل۔''

''آیئے ایک چیز اور دکھائیں۔''

سامنے میدان کے دوسرے کنارے پر ایک میز رکھی تھی جسے ڈھانک کر رکھا گیا تھا۔

''عبدل! ذرا کپڑا ہٹاؤ۔'' خان صاحب نے عبدل سے کہا۔

''ارے! انکل یہ سب بھی ہمارے لیے ہے۔'' ان میں سے ایک بچے نے بے ساختہ سوال کیا۔

''ہاں بھئی، یہ سب آپ کے لیے ہے..... ہماری عمر اِن سے کھیلنے کی کہاں ہے؟''

سارا سامان کرکٹ کے کھیل سے متعلق تھا۔ دو چھوٹے بیٹس، کئی گیندیں لال اور سفید، اسٹمپس، پیڈ اور دستانے وغیرہ.....

بچوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

''آپ سب اچھے بچے ہیں۔ میری بات آپ نے مان لی۔ گلی میں کھیلنا بند کردیا، ہمیں اس سے خوشی ہوئی۔ یہ آپ کی فرماں برداری کا انعام ہے..... اب روزانہ سہ پہر کو یہاں کھیلنا۔ اس سامان کو استعمال کرنا اور پھر وہاں کمرے میں اسے رکھ دینا۔'' انھوں نے کمرے کی جانب اشارہ کیا اور پھر میز پر ہاتھ رکھ کر بولے ''یہ میز اُس کمرے میں رکھوا دی جائے گی سامان اِس پر رکھنا..... اور ہاں کھیل کا وقت 3 بجے سے 5 بجے تک رہے گا جیسے ہی عصر کی اذان ہو کھیل بند کرنا ہوگا اور پھر کہاں جانا ہے اور کیا کرنا ہے یہ تو تم سب کو معلوم ہی ہے..... منظور''

''جی منظور۔'' سب ایک ساتھ بولے۔

''بھئی عبدل خیال رکھنا..... آج سے بچوں کا وقت رہے گا 3 بجے سے 5 بجے تک..... اور تمھیں یہیں رہنا ہے.....'' خان صاحب نے عبدل سے کہا اور بچوں سے بولے ''اب آپ سب کو بھی اجازت ہے۔''

اور بچے سلام علیک کرکے ''اللہ حافظ'' کہتے ہوئے رخصت ہوگئے۔

■

Murtaza 'Sahil' Taslimi
Muhalla Shutar Khana, Rampur - 244901 (UP)

■ حلیمہ فردوس

ہیلو! بی بندریا

اسکول کی تعطیلات شروع ہوگئی تھیں، روحی اور رومان کوٹی وی پروگرام دیکھنے میں مزا نہیں آرہا تھا۔ صبح ہی صبح دونوں نے آنٹی کے گھر دھاوا بول دیا۔ ان کی آمد پر فضا اور فلک کے چہرے کھل اٹھے، سب بچے چھٹیوں کا پروگرام بنانے بیٹھ گئے۔ کوئی فن ورلڈ جانے پر مُصر تھا تو کسی کو واٹر لینڈ کی سیر میں دلچسپی تھی۔ گفتگو کے دوران فلک باجی نے فیصلہ سنایا۔ بچو! میری سنو تو ہم سب چڑیا گھر چلیں گے۔ خوب مزا آئے گا۔ رومان نے لقمہ دیا، چڑیا گھر کی بچی اگر وہاں کوئی پنجرہ خالی ہوا تو ہم سب تمھیں اس میں بند کردیں گے تب تو خوب مزا آئے گا۔ فلک کو رومان کی بات پر غصہ آیا اس نے صوفہ پر پڑا کشن اٹھایا او ررومان کے سر پر دے مارا۔ جیسے ہی ممی کمرے میں داخل ہوئیں رومان نے شکایت کی ”دیکھیے نا آنٹی، یہ شیطان کی خالہ میرے پیچھے پڑی ہے۔“

فلک نے صفائی پیش کی ”ممی! آپ پہلے اس سے پوچھیے کہ اس نے کیا کہا؟“

ممی: ''رومان بتاؤ تم نے کیا کہا۔''

فضا: ''ممی! میری بات سنیے، ہم تفریح کا پروگرام بنا رہے تھے، فلک باجی نے چڑیا گھر جانے کی تجویز رکھی جس پر رومان بھیا انھیں خالی پنجرے میں بند کرنے کی بات کہہ کر چھیڑنے لگے۔''

ممی: ''بس اتنی سی بات''۔ فلک نے جواب دیا ''اسی لیے میں نے اس کے سر پر صرف کشن مارا ہے مکّا نہیں۔''

روحی: ''اچھا بابا، اب لڑائی ختم کرو، یہ جھک جھک بند کرو، واقعی چڑیا گھر کی سیر so boring، ایسا کرتے ہیں فن ورلڈ کی سیر کا پروگرام اگلے ہفتے کے لیے رکھتے ہیں، امتحان کی تھکن اتارنے کے لیے مال (Mall) چلتے ہیں۔ فورڈ کورٹ میں اچھی اچھی چیزیں کھائیں گے اور مزے کریں گے۔

سبھوں نے روحی کے مشورہ کو قبول کرتے ہوئے باآواز بلند کہا ''یہ ہوئی نا کام کی بات۔''

ممی اور پاپا کی اجازت لے کر چاروں بچے مال کی سیر پر نکل پڑے۔ وہاں وہ بڑی بڑی دکانوں میں سجے کھلونوں اور کتابوں کو الٹ پلٹ کر قیمتیں دیکھتے رہے۔ اپنی پسندیدہ کتابوں کو اگلی بار خریدنے کا ارادہ کر کے نکل آئے۔ اس کے بعد فلک، فضا اور روحی نے برگر اور آئس کریم کھائی جبکہ رومان نے آئس کریم کے علاوہ بڑے سے پیزا پر ہاتھ صاف کیا۔ بچے گھوم گھام کر جے پی روڈ سے گذر رہے تھے کہ چاٹ کی گاڑی دیکھ کر رومان کا جی مچلنے لگا۔ لڑکیوں نے کہا ہمارے پیٹ میں بالکل گنجائش نہیں ہے۔ رومان بھیا، اگر تم چاہو تو یہ

خواہش بھی پوری کرلو، رومان نے ڈٹ کر چاٹ کھائی، جیسے ہی گھر پہنچے رومان میاں کو الٹیاں شروع ہوگئیں۔ پاپا پریشان، آخر اس بچے کو ہو کیا گیا ہے۔ سوالات کی بوچھاڑ شروع ہوگئی۔ بچو بتاؤ تم نے کیا کھایا؟ آخر ان الٹیوں کی وجہ کیا ہے؟ فضا نے تفصیل بتائی، فلک بیچ میں بول پڑی ”فضا تم بھول رہی ہو، ہم سب محفوظ ہیں، صرف رومان کی حالت غیر ہو رہی ہے، یہ سڑک پر کھائی ہوئی چاٹ کا نتیجہ ہے۔“ ممی دوڑی دوڑی آئیں اور گھر میں رکھی دوائیوں کے ڈبے سے گولیاں نکالیں اور رومان کو گولیوں کے ساتھ خوب پانی پلایا۔ گھنٹہ بھر بعد اس کی طبیعت سنبھل گئی۔ ممی نے سبھی کو ڈانٹ پلائی اور تنبیہ کی کہ پھر کہیں جانے کا پروگرام نہ بنانا، تمھیں اجازت نہیں ملے گی۔ فلک کہاں ہار ماننے والی تھی۔ ”ممی یہ کیا؟ آپ اس پیٹو اور حریص کی سزا ہمیں کیوں دے رہی ہیں، ہم اپنی چھٹیوں کو یوں غارت ہونے نہیں دیں گے۔ آئندہ پروگرام چڑیا گھر کا ہوگا۔ کسی چھٹی کے دن آپ اور آنٹی بھی ہمارے ساتھ چلیں گی۔ منظور“ ممی بھلا فلک کی بات کیسے ٹالتیں، وہ ان کی قابل بیٹی جو تھیں۔ ہر سال کلاس میں فرسٹ پوزیشن حاصل کرکے وہ اپنی ہر بات منوالیا کرتی تھی، گزشتہ سال اسکول میں ٹاپ کرنے کی وجہ سے ممی کی جانب سے اسے سیل فون تحفہ میں ملا تھا۔ اس فون کو وہ میڈل سے کم نہ سمجھتی تھی۔ گویا فون اس کے گلے کا ہار بن گیا تھا۔

ایک ہفتہ بعد بچوں کے ساتھ ان کی ممی اور آنٹی بھی چڑیا گھر پہنچے۔ ان بچوں کے لیے چڑیا گھر کی سیر کا یہ پہلا تجربہ نہیں تھا۔ اس کے باوجود سب کے چہرے کھلے کھلے ہوئے

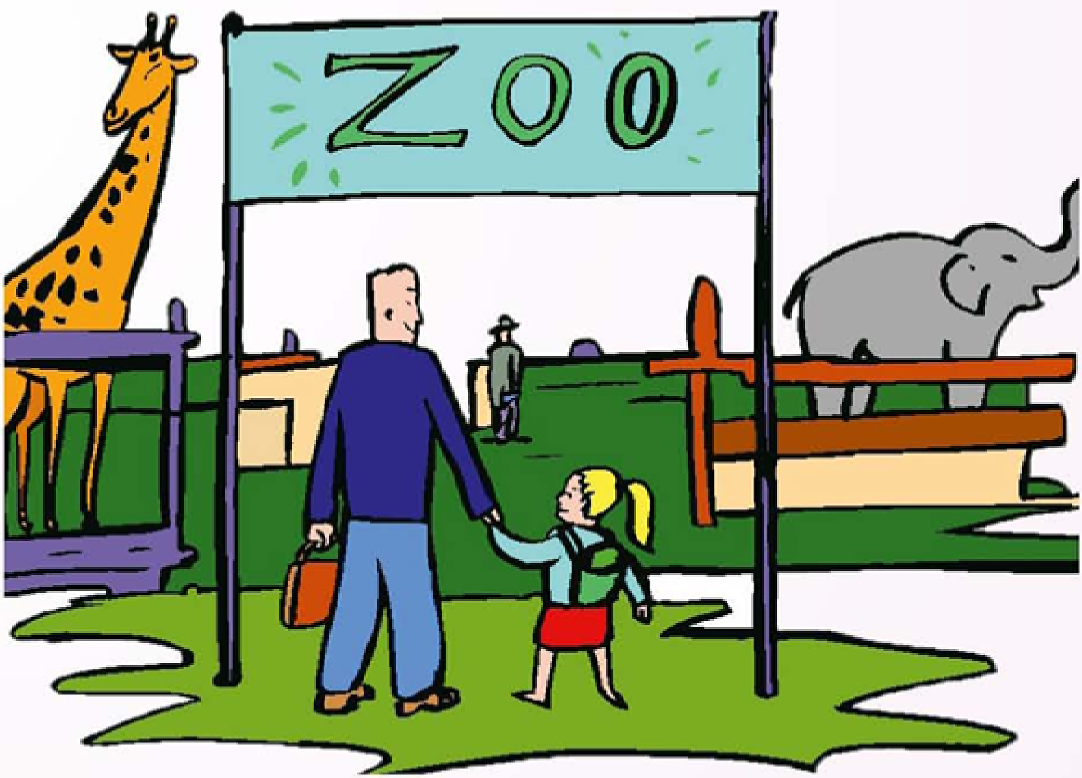

تھے۔کوئی جانور کے کٹھرے کے قریب ٹھہرے ان کی حرکتوں کا جائزہ لینے میں مگن تھا تو کوئی پنجرہ پر لگے جانوروں کے نام اور ان سے متعلق تفصیلات پڑھ رہا تھا۔ سب چلتے چلتے بندروں کے کٹھرے کے سامنے رک گئے۔ علاحدہ علاحدہ کٹھروں میں مختلف ممالک کے بھانت بھانت کے بندر موجود تھے۔ کالے منہ کے بندر دانت نکوسے سیاحوں کو ڈرا رہے تھے۔ الو نما چہرے والے چھوٹے چھوٹے بندر کھیں کھیں کر رہے تھے۔ اور بھورے بندر کرتب بازی کر رہے تھے۔ فلک بندریا کے پیٹ سے چپکے ہوئے چھوٹے بچے کو دیکھنے میں محو تھی کہ اچانک ایک اور بندریا نے اس کے ہاتھ میں دبے فون کو جھپٹ لیا۔ فلک "میرا فون میرا فون" چلانے لگی۔ ممی اور آنٹی ہش ہش کرتے رہ گئے، پلک جھپکتے ہی بندریا کٹھرے میں لگے سوکھے پیڑ کی شاخ پر چڑھ گئی اور فون کو اپنے کان سے لگایا۔ رومان کہنے لگا "پیاری فلک! بچاری بندریا کیا جانے یہ فون نہیں میڈل ہے۔" رومان کی ممی نے اسے ٹوکا "بیٹا یہ موقع مذاق کا نہیں ہے جلدی سے کچھ کرو"۔ اچھا، فلک بھی کیا یاد کریں گی، ممی آپ اپنا فون تو دیجیے۔ رومان نے ممی کا فون لے کر فلک کا نمبر ملایا ابھی "ہیلو بی بندریا" کے الفاظ اس کی زبان پر آئے بھی نہ تھے کہ رنگ ٹون بجتے ہی بندریا نے جھٹ سے فون پھینک دیا اور وہ کٹھرے میں زمین پر گر گیا۔ اسی اثنا Care Taker راؤنڈ لگاتا ہوا وہاں آپہنچا اور سوال کیا "آخر آپ لوگ کٹھرے میں بار بار

کیا دیکھ رہے ہیں۔" رومان اندر گرے سیل فون کی جانب اشارہ کر کے کہنے لگا "انکل ہمارا فون پنجرہ میں گر گیا ہے۔ پلیز نکال دیں۔" اس نے کٹھڑے کا دروازہ کھولا اور اندر سے فون اٹھالایا۔ فون رومان کے حوالے کرتے ہوئے کہنے لگا "تمھیں پتہ ہے چڑیا گھر کے جانوروں کے ساتھ کی گئی شرارت کا انجام خطرناک بھی ہوسکتا ہے۔" رومان نے یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ یہ شرارت ہماری نہیں آپ کے جانور نے کی تھی۔ خیر فون فلک کے حوالے کیا، بچاری فلک روہانسے لہجے میں شکریہ ادا کر کے بے دلی سے قدم بڑھانے لگی۔ رومی، جھنجھوڑتے ہوئے فلک سے کہنے لگی "باجی اب تو خوش ہوجایئے، آپ کا میڈل آپ کو مل گیا ہے۔" پھر رومان سے مخاطب ہوئی "بھیا آج آپ نے کمال کردیا۔ آخر آپ کو یہ خیال آیا کیسے؟" رومان نے اپنی کالر اونچی کرتے ہوئے جواب دیا "سویٹی! تم کان کھول کر سنو، بندر بلا کا نقل باز ہوتا ہے، مگر اس کے پاس عقل بھی ہوتی ہے، تمھیں پتہ ہے وہ آواز سے ڈرتا ہے۔ اسی لیے بندریا نے آدمی کی نقل کرتے ہوئے سیل کان سے لگایا، جیسے ہی میں نے نمبر ملایا رنگ ٹون سن کر وہ ڈر گئی اور اسے پھینک دیا۔" فلک کی جانب دیکھتے ہوئے رومان نے رومی کی چٹکی لی "کوئی صرف کتابیں پڑھ کر عقلمند نہیں بنتا۔ بروقت عقل کا استعمال بھی ضروری ہے۔ کیا تمھیں بچپن میں سنی ہوئی بندر اور درزی کی کہانی یاد نہیں۔ بھیا چلتے چلتے سنایئے نا۔" رومی نے تجسس بھرے انداز میں کہا۔

"لو سنو۔ ایک درزی سلی ہوئی ٹوپیاں فروخت کر کے اپنا پیٹ پالتا تھا۔ ایک دن وہ ٹوپیوں کی گٹھڑی لیے ستانے پیڑ کے نیچے لیٹ گیا۔ اس کی آنکھ لگ گئی۔ اسی اثنا سارے بندر گٹھڑی کی ٹوپیاں لے کر درخت پر چڑھ گئے۔ درزی کی طرح ان ٹوپیوں کو اپنے سر پر رکھ لیا۔ آنکھ کھلنے کے بعد درزی کی نظر جب خالی گٹھڑی پر پڑی تو وہ پریشان ہوگیا۔ درخت پر بیٹھے بندروں کے سر پر رکھی ٹوپیاں دیکھیں تو اس کی جان میں جان آئی۔ اس نے عقل سے کام لیتے ہوئے جھٹ سے اپنی ٹوپی فرش پر پھینکی۔ ایک ایک کر کے سارے بندروں نے درزی کی نقل کی اور وہ ساری ٹوپیاں سمیٹ کر وہاں سے نکل گیا۔ بی بندریا رومی! اب بتاؤ عقل بڑی کہ بھینس۔"

■

Dr. Haleema Firdaus
A1-414, Ganga Block, NGV
Cora Mangla, Bengalore - 47 (KS)

انصاری محمد شاہین

سو سنار کی ایک لوہار کی

ایک تھا سونار۔ نام تھا کوڑی مل مگر تھا لکھ پتی۔ وہ اپنے ہنر میں بہت ماہر تھا۔ سونے چاندی کے زیورات میں ہیرا پھیری اس چالاکی سے کرتا تھا کہ عورتیں اور مرد بھی دھوکہ کھا جاتے تھے۔ اصلی کو نقلی اور نقلی کو اصلی بنانا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا مگر اس میں ایک برائی بھی تھی۔ وہ شراب بہت پیتا تھا نشے کی حالت میں الٹی سیدھی حرکتیں کیا کرتا تھا۔ کیونکہ دماغ قابو میں نہیں رہتا تھا۔

ایک دن ایک اجنبی شخص اس کے پاس آیا۔ اس کے بیگ میں بہت سارے قیمتی زیورات تھے۔ وہ اسے بیچنے کی غرض سے لایا تھا۔ کوڑی مل نے زیورات کو کسوٹی سے پرکھا۔ تمام زیورات اصلی سونے اور چاندی کے تھے۔ اس نے اجنبی سے زیورات کی قیمت پوچھی جسے سن کر کوڑی مل ہکا بکا رہ گیا۔

کیونکہ اجنبی نے بہت کم قیمت بتائی تھی۔ کوڑی مل نے دل میں کہا ”یہ کوئی اناڑی شخص معلوم ہوتا ہے شاید اس نے کبھی زیورات کا سودا نہیں کیا ہے۔ ناتجربہ کار ہے۔ شکل وصورت اور بول چال سے کسی دوسرے شہر کا معلوم ہوتا ہے۔“ مگر کوڑی مل نے تعجب کا اظہار نہیں کیا کیونکہ اس لین دین میں بہت زیادہ نفع کا امکان تھا۔

عادت کے مطابق جیسا کہ ہر سونار کی ہوتی ہے بولا ”میل کاٹ کر پچاس ہزار روپے دوں گا۔“ اجنبی کی مانگی ہوئی قیمت سے کوڑی مل کی قیمت بہت کم تھی۔ مگر اجنبی نے چوں تک نہیں کیا اور نہ برہمی کا اظہار کیا بلکہ ہنسی خوشی راضی ہوگیا۔ شاید وہ حد رنجیدہ و پریشان تھا۔ اس کی مت ماری گئی تھی۔ سوچنے سمجھنے کی

صلاحیت بالکل نہ تھی۔ کوڑی مل نے رقم ادا کی۔ اجنبی جانے لگا تو کوڑی مل نے کہا ''تم اس شہر کے معلوم نہیں ہوتے۔ اچھا ہاں! اگر تمھارے پاس اور بھی زیورات ہوں تو لے آنا میں مناسب قیمت میں سب خرید لوں گا۔'' اجنبی نے کچھ کہا نہیں۔ روپے بیگ میں رکھے اور چلتا بنا۔ کوڑی مل خوب جانتا تھا کہ کوئی آدمی بار بار بیوقوف نہیں بن سکتا۔ پنجرے سے اڑا ہوا پنچھی بھلا دوبارہ کیوں پھنسے گا۔ کوڑی مل اس واقعے کو بھول گیا تھا مگر خوش تھا کہ اچھا بیوقوف بنایا۔ اس واقع کو ایک ماہ گزر گیا۔ کوڑی مل بالکل بھول چکا تھا کہ کسی اناڑی آدمی سے لین دین ہوا تھا۔ عادت کے مطابق اس کا لین دین جاری تھا۔ ایک دن صبح سویرے وہی شخص دوبارہ آیا۔ پہلے تو کوڑی مل کو یقین ہی نہیں آیا کہ پنجرے سے آزاد ہو کر جانے والا پنچھی کیوں کر قید میں آ گیا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بہت غرض مند یا مقروض ہو۔ اس لیے زیوات کو اونے پونے بیچ رہا ہے۔ کوڑی مل کو تو اپنے نفع سے کام تھا۔ اتفاق کی بات یہ کہ اس دن کوڑی مل نشے کی حالت میں تھا کیونکہ اس کا جھگڑا بیوی سے خوب ہوا تھا مگر اتنا ہوش تو تھا ہی کہ چہروں کو پہچان سکتا تھا۔ اجنبی اس مرتبہ کافی زیورات لایا تھا۔ بیگ بھی بڑا تھا۔ سارے زیورات سونار کے سامنے رکھ دیے جنھیں دیکھ کر کوڑی مل کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس کا شیطانی دماغ کام کرنے لگا۔ اس نے ایک ایک زیور کو پرکھا اور خوشی سے جھومنے لگا۔ جب اطمینان ہو گیا کہ سارے زیورات اصلی ہیں تو ان کی قیمت پوچھی۔ اجنبی جیسے اسی بات کا منتظر تھا فوراً کہا ''دس لاکھ روپے۔'' یہ سن کر کوڑی مل کے ہوش اڑ گئے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اجنبی عقلمندی کی باتیں کرے گا۔ آج وہ بالکل بدلا ہوا لگ رہا تھا مگر وہ بھی بڑا کائیاں تھا۔ سنبھل کر باتیں کرنے لگا۔ وہ ان زیورات کو کسی بھی قیمت میں خرید سکتا تھا کیونکہ پچھلے زیورات سے اسے کافی نفع حاصل ہوا تھا۔ عادت کے مطابق کہا ''میل کاٹ کر پانچ لاکھ روپے دوں گا۔'' یہ سن کر اجنبی اپنے زیورات سمیٹ کر

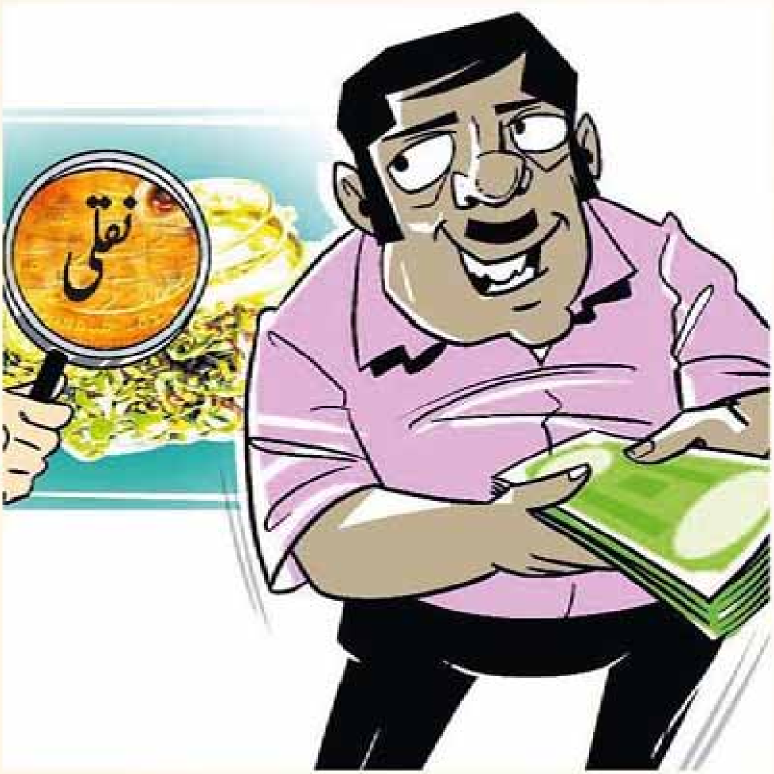

بیگ میں رکھنے لگا۔ مطلب یہ تھا کہ اسے یہ سودا منظور نہیں ہے۔ بات بگڑتی دیکھ کر کوڑی مل نے نہایت نرمی سے کہا ”ارے بھائی ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ بڑا سودا ہے۔ سوچ سمجھ کر ہونا چاہیے۔ میں آپ کا نقصان بھی کرنا نہیں چاہتا۔ تالی دونوں ہاتھ سے بجتی ہے۔ پچھلے سودے کو مدنظر رکھتے ہوئے کچھ تو رعایت ہونی چاہیے۔“ اجنبی اپنی بات پر اٹل تھا۔ ترکی بہ ترکی جواب دیا ”پچھلی بات اور تھی آج کی بات اور ہے۔ میں کوئی دوسری دوکان دیکھ لوں گا۔“ کوڑی مل واقعی بہت حیران تھا۔ کیا یہ وہی پہلے والا بیوقوف اجنبی ہے۔ آج تو بڑے ہوش کی باتیں کر رہا ہے۔ بولا ”ناراض کیوں ہوتے ہو بھائی۔ آپ آس لے کر میرے پاس آئے ہیں تو میں بھی ضرور پوری کروں گا ورنہ آپ کوئی اور دوکان تلاش کر لیتے۔ آپ کو یقین ہے کہ میرے علاوہ کوئی سونار مناسب قیمت ادا نہیں کرے گا۔ سیدھے میرے پاس چلے آئے۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ مجھ پر اعتماد کیا۔“ کوڑی مل نے مسکہ پالیسی شروع کر دی اور بار بار زیورات کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اجنبی کو کچھ سوچنے کا موقع دے۔ اجنبی خاموش رہا تو کوڑی مل نے کہا ”ارے بھائی میں زیادہ سے زیادہ سات لاکھ دے سکتا ہوں اس سے زیادہ دینا میرے بس کی بات نہیں ہے۔“ اجنبی نے نہیں میں سر ہلایا اور بولا ”معاف کرنا جناب اتنی رقم میں میرا مسئلہ حل نہیں ہوگا۔“ کوڑی مل نے پوچھا ”آخر آپ کا مسئلہ کیا ہے جو آج اتنی بحث کر رہے ہو؟“ اجنبی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا ”میرے خاندانی وقار کا مسئلہ ہے جب تک حل نہیں ہوگا تفصیل سے بتا نہیں سکتا۔ بہتر یہی ہے کہ مجھ سے کچھ نہ پوچھو میں دس لاکھ روپوں سے ایک پائی بھی کم نہ لوں گا۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔“ کوڑی مل نے اندازہ کر لیا کہ اجنبی اپنی بات پر اٹل ہے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ دس لاکھ روپوں میں بھی سودا مہنگا نہیں ہے۔ بولا ”اچھا بھئی خوش ہو جاؤ مجھے دس لاکھ روپوں میں یہ

سودا منظور ہے۔ چیک دوں یا نقد؟'' اجنبی بولا ''نقد ادائیگی ہوگی۔ کیونکہ ایک ایک دن میرا بہت قیمتی ہے۔'' کوڑی مل نے رقم ادا کیا اور بولا ''اب تو بتایئے کہ آپ کا خاندانی مسئلہ کیا ہے؟'' اجنبی بولا ''میں پونا سے آیا ہوں۔ خاندانی رئیس تھا۔ انگریزوں کے زمانے میں میرے آبا و اجداد وظیفہ یاب جاگیردار تھے۔ میری کپڑے کی مل تھی مگر آج کوڑی کوڑی کا محتاج ہوں۔ میں نے اپنی حویلی گروی رکھی تھی۔ ساہوکار سے 5لاکھ روپے قرض لیے تھے تاکہ کاروبار میں لگا سکوں مگر قسمت روٹھی تھی۔ میں یہاں اس لیے آیا کہ میرا کوئی جان پہچان والا نہیں ہے۔ میں خاموشی سے اپنی حویلی واپس لینا چاہتا تھا۔ تاکہ رشتہ داروں اور دوست احباب میں سبکی نہ ہو۔ اپنی رشتہ دار خواتین کے زیورات جمع کرنے میں دیری ہوئی۔ قرض کی رقم سود در سود بڑھ کر دس لاکھ تک پہنچ گئی۔ میں حد درجہ پریشان تھا۔ میری رشتہ دار خواتین کو مجھ سے ہمدردی تھی۔ بخوبی اپنے زیورات دے دیے۔ میں نے وعدہ کیا کہ حالات سازگار ہوتے ہی ان کو نئے زیورات بنوا دوں گا۔ کل آخری دن ہے۔ پرسوں حویلی کی نیلامی ہونے والی ہے مگر میں اب اپنی آبائی حویلی واپس لے لوں گا۔ آپ نے میرے ساتھ جو تعاون کیا ہے وہ زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔ یہ ہے میری داستان۔'' کوڑی مل کو افسوس بھی ہوا اور خوشی بھی ہوئی کہ اس نے ایک مجبور اور بے بس انسان کی مدد کی۔ اجنبی رقم لے کر چلتا بنا۔ کوڑی مل نے سارے زیورات سمیٹے اور اپنی تجوری میں بھر دیا۔ اس کے اندازے کے مطابق سال بھر کا نفع چند مہینوں میں ہی وصول ہو جائے گا۔ چونکہ اس کے پاس کام زیادہ تھا اس لیے اجنبی کے زیورات نکالنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ جب ذرا فرصت ملی تو ایک دن اس نے ایک سونے کا ہار نکالا۔ ارادہ تھا کہ پگھلا کر اس میں سستی دھات ملا کر نیا ہار بنا لے گا۔ اس نے کٹھالی میں ہار ڈالا۔ (کٹھالی۔ ہر سونار کے پاس ایک پیالہ ہوتا ہے جس میں سونا چاندی پگھلاتے ہیں۔ یہ پیالہ کھریا مٹی اور روئی کو کوٹ کر بناتے ہیں) اور بھٹی میں رکھ کر دوسرے کام میں مشغول ہوگیا۔ چند گھنٹوں کے بعد یہ سوچ کر کہ ہار پگھل گیا ہوگا وہ بھٹی کی طرف آیا۔ کٹھالی میں اس نے دیکھا کہ سرمئی رنگ کا مادہ بھرا ہوا تھا۔ اب تو اس کا ماتھا ٹھنکا کیونکہ وہ تو پگھلا ہوا سونا ہرگز نہ تھا بلکہ سیسہ (ایک ہلکی اور سستی دھات) کا مادہ تھا۔ جیسے راکھ کا آمیزہ۔ یہ دیکھ کر اس کے ہوش اڑ گئے۔ جی سنسنانے لگا جلدی جلدی تمام زیورات نکالے اور ایک ایک زیور کو آزمانے لگا۔ چند منٹوں میں ہی سیسہ (رانگا) پگھل جاتا تھا۔ تمام زیورات نقلی تھے۔ ان پر سونے چاندی کا ملمع چڑھایا گیا تھا۔ جب قدرت کو انتقام لینا ہوتا ہے تو ہر ناممکن بات ممکن بن جاتی ہے۔ جس دن اجنبی زیورات لایا تھا اس دن کوڑی مل نشہ کی حالت میں تھا۔ بس اسی وجہ سے کسوٹی نے اسے دھوکہ دیا یعنی نقلی کو اصلی ظاہر کیا اور وہ مطمئن ہوگیا تھا۔ اس طرح سے ایک کائیاں اور بے اطمینان سونار کا دس لاکھ روپوں کا نقصان ہوا۔ پونا سے ایک ٹھگ آیا اور کوڑی مل کو چونا لگا کر چلتا بنا۔ تب سے ہی مثل مشہور ہوگئی کہ ''سو سونار کی تو ایک لوہار کی۔''

■

Ansari Mohd Shaheen, Atfal Book Depo
361 Mohammad Ali Road, City Malegaon
Distt Nasik - 423203 (MS)

مترجم: انیس الدین ملک

حسینہ کالی پڑ گئی

ایلزبیتھ اول کے زمانے میں ہی ہیروگیٹ ایک صحت بخش مقام رہا ہے۔ اس کی حکومت میں ایک گندھک کا قدرتی چشمہ تھا جسے وہاں کے ایک مقامی ڈاکٹر نے کافی مشہور کیا۔ اس کا یہ خیال تھا کہ اس کا پانی طبی نقطہ نظر سے کافی اہم ہے۔ اٹھارویں صدی کے آخیر تک تقریباً دو ہزار عوام ہر موسم (جولائی سے ستمبر) میں وہاں آیا کرتے تھے۔ جو اس زمانے کے لحاظ سے ایک بڑی تعداد تھی، جبکہ اس زمانے میں دور دراز سفر کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ وہ لوگ سرائے میں ٹھہرا کرتے تھے، جن میں سے بہت سی سرائیں گاؤں کی معمولی سرائے سے ترقی کرکے محل نما قیام گاہوں میں تبدیل ہوگئی تھیں۔ لوگ اس امید میں آتے تھے کہ وہ تمام قسم کی اندرونی اور خارجی بیماریوں سے چھٹکارا پالیں گے۔

جس عمارت میں معدنی پانی کے چشمے تھے اسے اس طرح بنایا گیا تھا کہ لوگ پانی بھی پی سکیں اور غسل بھی کرسکیں۔ ایک ڈاکٹر نے 1794 میں لکھا تھا کہ ہم لوگوں کے لیے گرم پانی سے نہانا تعیش سے زیادہ علاج ہے اور ہیروگیٹ میں تعیش کے لیے نہانے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔

ہیروگیٹ کے معدنی چشمہ کی تاریخ بناؤ سنگار کے سامان کے مقابلے بہت مختصر ہے۔ برسوں سے عورتیں اپنے سنگار کے لیے پینٹ، پاؤڈر اور بہت سی کیمیادانوں کی بنائی ہوئی اشیاء استعمال کرتی آئی ہیں۔ ان میں سے ایک اشیا تزئین

جسے خواتین نے انیسویں صدی کے آغاز میں استعمال کرنا شروع کیا۔ فرانس میں تقریباً 1600 میں پہلی بار بنائی گئی۔ اسے دوائیں فروخت کرنے والوں نے ''بیکنگ ڈی فارڈ'' کے نام سے بیچا۔ انگلستان میں یا تو اسے بسمتھ کی مجسٹری کے نام سے پکارتے تھے یا ''موتی جیسا سفید'' کیونکہ یہ چمکدار سفیدی چہرے کو بخشتا ہے۔ اس زمانے کا یہ رواج تھا کہ پاؤڈر لگانے کے لیے خرگوش کا پنجہ استعمال کرتے تھے۔ اس سفید اشیا تزئین کے اور بھی بہت سے نام تھے۔ اسے بسمتھ کاربونیٹ کو گاڑھے شورے کے تیزاب کی کم سے کم مقدار میں گھول کر بناتے ہیں اور اس طرح بنے ہوئے بسمتھ نائٹریٹ کو پانی کی ایک بڑی مقدار میں ڈالتے ہیں۔ اس کا کیمیاوی نام بسمتھ آکسی نائٹریٹ یا بیسک بسمتھ نائٹریٹ ہے۔ اس کے لیے بہت سے فارمولے تجویز کیے گئے کیونکہ اس کا کامپوزیشن بنانے کے طریقے کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ کچھ فارمولے یہ ہیں۔ Bio,No,HO or Hi, O, NO, SHO یا سفید پاؤڈر لمبے عرصے تک کھلی ہوا میں رہنے پر بھورا ہوجاتا ہے۔ جب یہ اشیاء تزئین کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا تو کبھی کبھی یہ پایا گیا کہ چہرے جلنے کی بیماری ہوگئی جو بعد میں فالج کے مرض میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

انیسویں صدی کے اوائل کے ایک مصنف نے جو اپنے آپ کو ''ایک پرانا فلسفی'' ظاہر کرتا تھا، ایک خاتون کے بارے میں ایک مزاحیہ کہانی کہی جس نے اس اشیا تزئین کو ہیروگیٹ میں قیام کے دوروان استعمال کیا تھا۔

''وہ خواتین جو سفید چمڑی کی خواہش مند ہوتی تھیں ان کا یہ دستور تھا کہ وہ بسمتھ دھات سے ایک تیار شدہ شے اپنے جسم پر مالش کر لیتی تھیں۔ یہ بہت ہی معتبر ذرائع سے پتہ چلا کہ ایک خاتون نے اس تیار شدہ شے سے اپنے آپ کو کافی

حسین بنایا اور ہیروگیٹ کے چشمے سے نہائی تبھی اس کی کھال سفید سے بالکل سیاہ فام ہوگئی۔ آپ اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ اس طرح بری شکل میں تبدیل ہونے پر کتنی متحیر ہوئی۔ وہ چلائی اور پھر اس پر غشی طاری ہوگئی۔ اس کے خادم بھی یہ تبدیلی دیکھ کر بے ہوش ہونے لگے لیکن ان کی گھبراہٹ کچھ کم ہوئی جب انھوں نے یہ دیکھا کہ چمڑے کی یہ سیاہی صابن اور پانی سے دور کی جاسکتی ہے۔ خاتون جلد ہی اپنی پہلی حالت پر واپس آگئیں اور جب اس کے ڈاکٹر نے تمام حالات سے آگاہ کیا تو اسے کافی تسلی ہوئی۔ لیکن وہ زیادہ خوش نہیں تھی اس لیے کہ لوگوں نے اس کی سفید چمڑی کا راز جان لیا تھا۔"

پرانے فلسفی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ اگر کوئی خاتون اس تیار شدہ شے کے استعمال کو جاری رکھنا چاہتی ہے تو میں اسے یہ رائے دوں گا کہ وہ کوئلے کی آگ کے قریب ہر گز نہ جائے، ورنہ اس کی کھال یقیناً دھندلی اور سیاہ ہو جائے گی۔

مصنف نے رنگوں کی اس حیرت ناک تبدیلی کی وجوہات بیان کیں جو جدید علم کیمیا کی زبان میں اس طرح ہے۔ " گندھک والے ٹھنڈے چشموں کے پانی میں ہائیڈروجن سلفائڈ کی بدبو آتی ہے، یہ وہ گیس ہے جسے علم کیمیا کے ہر طالب علم کو جاننا چاہیے۔ یہ بدبو یا تو گیس کی موجودگی کی وجہ سے ہے یا ایک نمک کی وجہ سے ہے جس کا نام سوڈیم سلفائڈ ہے۔ ہیروگیٹ کے گندھک کے ٹھنڈے چشمے کے پانی میں تقریباً 0.21ء فی صد سوڈیم سلفائڈ ہوتا ہے۔ لیکن جب چشمے کا پانی نیم گرم ہوا کے رابطے میں آتا ہے تو سوڈیم سلفائڈ آکسی ڈائز ہو کر سوڈیم تھایو سلفیٹ میں تبدیل ہو جاتا ہے اور ہائیڈروجن سلفائڈ بنتی ہے۔

بیسمتھ کے چند کمپاؤنڈ سفید ہوتے ہیں۔ کچھ پیلے ہوتے ہیں اور ایک یا دو کالے ہوتے ہیں۔ کالے کمپاؤنڈوں میں ایک بیسمتھ سلفائڈ ہے۔ جو تجربہ گاہ میں بیسمتھ کمپاؤنڈ کے محلول سے بھری جانچ کی نلی میں ہائیڈروجن سلفائڈ کے بلبلے گزارنے پر بہ آسانی بنائی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ سیاہ کمپاؤنڈ اس خاتون کے چمڑے پر بن سکتا ہے جس نے اپنے اوپر بیسمتھ کی مجسٹری کی مالش کی ہو اور ہیروگیٹ کے معدنی پانی کے چشمے میں غسل کیا ہو، گرچہ سلفائڈ کا محلول کافی کمزور رہا ہو اور جیسا کہ ضعیف فلسفی نے بھی اپنا خیال ظاہر کیا ہے، یہ کمپاؤنڈ تب بنتا ہے جب کوئی عورت اس کی اپنے اوپر مالش کر کے کوئلے کے قریب بیٹھے جس سے گندھک کے دھوئیں نکلنے لگتے ہوں۔

بیسمتھ کے چند کمپائونڈ سفید ہوتے ہیں۔ کچھ پیلے ہوتے ہیں اور ایک یادو کالے ہوتے ہیں۔ کالے کمپائونڈوں میں ایک بیسمتھ سلفائڈ ہے۔ جو تجربہ گاہ میں بیسمتھ کمپائونڈ کے محلول سے بھری جانچ کی نلی میں ہائیڈروجن سلفائڈ کے بلبلے گزارنے پر بہ آسانی بنائی جاتی ہے۔

احد پرکاش

پیڑ لگاؤ دیش سجاؤ

ہر بچہ اِک پیڑ لگائے
ہر جانب ہریالی لائے

ملک ہمارا پیارا گلشن
اس گلشن کے پھول ہیں ہم سب
ہندو مسلم سکھ عیسائی
ایک ہے سب کا خالق رب

خالق نے سب ملک بنائے
بات یہ سمجھے اور سمجھائے

صاف صفائی سب کو پیاری
پھول کھلاؤ کیاری کیاری
دیش کو اپنے پیار کرو گے
روشن ہوگی یہ پھلواری

ہر بچہ یہ دیش بنائے
خود بھی جاگے دیش جگائے

■

Ahad Parkash
M I G 304 , Pashem Apartment
Bharat Takiz ke Paas, Bhopal (MP)
Mob.: 09329412531

آخری قسط

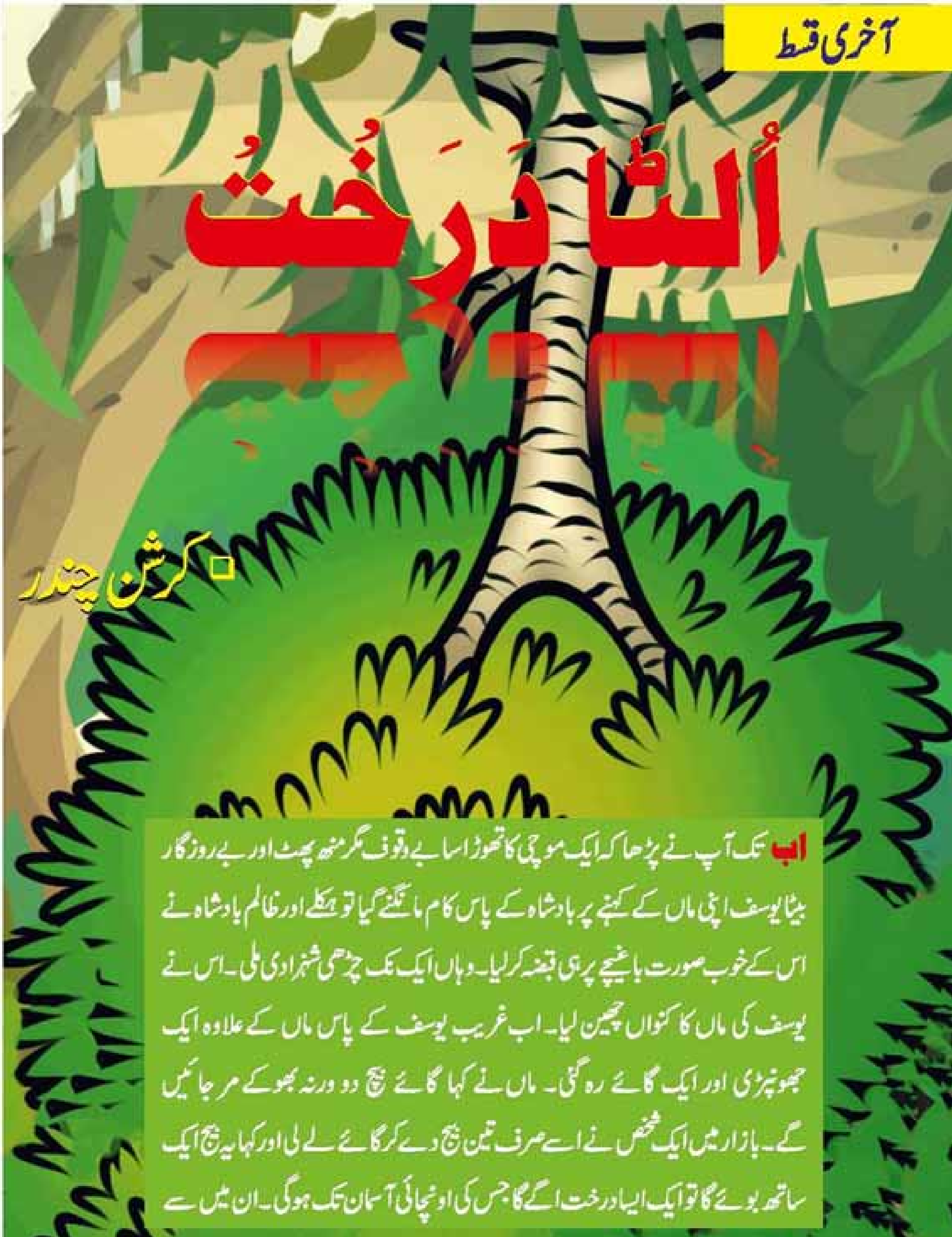

اُلٹا درَخت

کرشن چندر

اب تک آپ نے پڑھا کہ ایک موچی کا تھوڑا سا بے وقوف مگر منہ پھٹ اور بے روزگار بیٹا یوسف اپنی ماں کے کہنے پر بادشاہ کے پاس کام مانگنے گیا تو ہکلے اور ظالم بادشاہ نے اس کے خوب صورت باغیچے پر ہی قبضہ کر لیا۔ وہاں ایک نک چڑھی شہزادی ملی۔ اس نے یوسف کی ماں کا کنواں چھین لیا۔ اب غریب یوسف کے پاس ماں کے علاوہ ایک جھونپڑی اور ایک گائے رہ گئی۔ ماں نے کہا گائے بیچ دو ورنہ بھوکے مر جائیں گے۔ بازار میں ایک شخص نے اسے صرف تین بیج دے کر گائے لے لی اور کہا یہ بیج ایک ساتھ بوئے گا تو ایک ایسا درخت اُگے گا جس کی اونچائی آسمان تک ہوگی۔ ان میں سے

دو بیج ضائع ہو گئے۔ یوسف بڑا پریشان ہوا اور اس نے بچا ہوا بیج باغیچے کی زمین میں دبا دیا۔ رات کو خوب بارش ہوئی اور صبح اٹھا تو اس نے دیکھا کہ بیج والی زمین میں ایک عجیب درخت اگا تھا جس کی جڑیں زمین پر تھیں اور تنا اور شاخیں زمین کے اندر اتر رہی تھیں۔ ماں کے منع کرنے پر بھی یوسف اس درخت پر نیچے کی طرف چڑھنے لگا۔ کافی نیچے اترنے پر وہ آوازوں کے ایک شہر میں پہنچ گیا۔ ایک سرگوشی جیسی آواز نے اسے شہر کی کہانی سنائی اور بتایا کہ یہاں تمام آوازوں کو آسمان جتنے اونچے گنبد میں قید کر لیا گیا ہے۔ مگر ان قیدی آوازوں نے وہاں سے بادشاہ کے محل تک ایک سرنگ بنائی اور اس میں فتیلہ بن کر گھس گئیں۔ یوسف کا کام تھا اس فتیلے کو آگ لگانا۔ اس نے فتیلے کو آگ دکھائی اور تیزی سے الٹے درخت پر جا پہنچا۔ کچھ ہی دیر میں آوازوں کا شہر تباہ ہو گیا اور یوسف درخت پر نیچے چڑھنے لگا۔ تین دن تین رات چڑھنے کے بعد اندھیرے میں کسی نے اسے درخت سے اتار لیا۔ اسے محسوس ہوا جیسے کوئی اسے اپنی مٹھی میں دبائے ہوئے ہوا میں اڑ رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس ہاتھ نے اسے ایک بہت بلند اور بڑے دروازے پر اتار دیا۔ یہ دروازہ اتنا بڑا تھا کہ ایک دیو بھی اس کے نیچے سے آسانی سے نکل سکتا تھا۔ یوسف تو خیر آدمی تھا۔ بڑی آسانی سے اندر چلا گیا۔ دروازے کی محراب پر لکھا تھا: کالے دیو کا شہر۔ یوسف درخت پر چڑھتا یوں سمجھو کہ زمین کے اندر اترتا چلا گیا جہاں ہر منزل پر اسے ایک نئی دنیا ملی...

تھوڑی دیر کے بعد موہن اور شہزادی اڑتے ہوئے عصا کی مدد سے سبز قبا والے بوڑھے کے پاس سانپوں کے شہر میں پہنچ گئے۔ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا لیکن مغرب کی طرف دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ کوئی آدھ گھنٹے میں غروب ہو جائے گا۔ بوڑھے نے لعل ہاتھ میں لے کر کہا ”وقت بہت کم ہے۔ مگر چلو چلتے ہیں، ایک آخری کوشش کر کے دیکھ لیتے ہیں۔“

بوڑھے نے عصا ہاتھ میں لیا اور موہن اور شہزادی کو ساتھ لے کے بلند مینار کی جانب روانہ ہوئے، جہاں سانپوں کے شہر کی سرکار رہتی تھی۔

راستے میں بوڑھے نے موہن اور شہزادی سے کہا ”مینار کے اندر گھسنے کی طرف ایک ترکیب ہے، اسے اچھی طرح سمجھ لو۔ اس میں اگر ذرا بھی بھول چوک ہو گئی تو سب کام چوپٹ ہو جائے گا اور یوسف کسی طرح نہ بچ سکے گا۔“

”بتائیے؟“ موہن نے کہا ”ہم اس پر عمل کریں گے۔“

بوڑھے نے کہا ”وہ سامنے کا آہنی جنگلہ نظر آ رہا ہے، وہاں جا کے ہم تینوں رک جائیں گے پھر مینار کے اندر سے ایک آواز آئے گی، تم کون ہو، اس کے جواب میں صرف یہ کہنا، ہم سرکار کے غلام ہیں۔ اس پر ہمیں آگے بڑھنے کی اجازت دی جائے گی۔ جب ہم مینار کے اندر والے پھاٹک پر پہنچیں گے تو ہمیں پھر رکنا پڑے گا۔ اس پھاٹک کے بیچ میں ایک سوراخ ہے۔ اس سوراخ کے اندر سے وہ لوگ ہمیں جھانک کر دیکھیں گے اور اس بات کا پتہ چلائیں گے کہ ہم واقعی سرکار کے غلام ہیں یا نہیں۔“

”اس کا پتہ انہیں کیسے چلے گا کہ ہم سرکار کے غلام ہیں؟ اور پھر ہمارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ ہم سرکار کے غلام

ہیں؟"

"دیکھو وہ ترکیب میں تمہیں بتاتا ہوں، جب تم اس دروازے کے پاس پہنچو تو خبردار اپنی پلکوں کو کسی حالت میں نہ جھپکانا۔ بس چپ چاپ ٹکٹکی باندھے سوراخ کی طرف دیکھتے رہنا۔ کسی حالت میں پلکیں نہ جھپکانا۔ سرکار کے غلاموں کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ وہ پلکیں نہیں جھپکاتے، چپ چاپ ہاتھ باندھے حکم کی تعمیل کے لئے کھڑے رہتے ہیں۔ سمجھ گئے؟"

شہزادی نے کہا "جی سمجھ گئے۔"

بوڑھے نے پھر خبردار کرتے ہوئے کہا "جو کچھ میں نے کہا ہے اس پر حرف بہ حرف عمل کرنا۔ نہیں تو یوسف کی زندگی کا میں ذمہ دار نہیں ہوں۔"

اس کے بعد بوڑھا، موہن اور شہزادی، تینوں مینار کے باہر آہنی جنگلے کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ مینار کے اندر سے آواز آئی "کون ہے؟"

ان تینوں نے جواب دیا "سرکار کے غلام"

"کیا کام ہے؟"

"سرکار کی غلامی چاہتے ہیں۔" بوڑھے نے کہا۔

"آگے بڑھو۔" آواز آئی۔

یہ تینوں آگے بڑھے، واقعی مینار کے بڑے پھاٹک کے اندر ایک چھوٹا سا سوراخ تھا۔ اس کے قریب جا کر یہ تینوں کھڑے ہو گئے۔ چند منٹ تک بغیر پلکیں جھپکائے کھڑے رہے حتیٰ کہ موہن کی آنکھوں میں جلن پیدا ہونے لگی اور شہزادی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اگر چند منٹ تک اور اس طرح کھڑے رہنا پڑتا تو شاید شہزادی کی پلکیں جھپک

جاتیں۔ مگر خیر ہوئی کہ تھوڑے عرصہ کے بعد پھاٹک خود بخود کھلا، اور کھل کر خود بخود فوراً بند ہو گیا۔

مینار کے اندر جا کر بابا نے ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا "اس زینے پر چڑھتے چلو۔ ہمیں پہلے سیدھے برف خانے کے اندر جانا چاہیے۔ سورج غروب ہو رہا ہے۔"

بھاگتے بھاگتے وہ بہت سی سیڑھیاں طے کر گئے، اور عین اسی وقت جب سورج غروب ہو رہا تھا وہ تینوں برف خانے کے اندر پہنچ گئے اور بوڑھے نے وہ لعل یوسف کے ماتھے سے لگا دیا۔

لعل نے ڈنک والی جگہ سے زہر چوسنا شروع کیا، اور اس وقت ایک عجیب منظر دکھائی دیا۔ جوں جوں لعل زہر چوستا جاتا تھا مینار کے اندر روشنی کم ہوتی جاتی تھی۔ تھوڑی دیر میں برف خانے کے زینے پر سیکڑوں بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ یہ قدم برف خانے کی طرف بھاگے چلے آرہے تھے۔ بابا نے آگے بڑھ کے برف خانے کا دروازہ بند کر دیا۔

زہر پی کر لعل کی رنگت سبز ہوتی جارہی تھی۔ یوسف کے چہرے پر زندگی کی سرخی دوڑنے لگی۔ یکا یک لعل نے سارا زہر چوس لیا اور یوسف نے آنکھیں کھول دیں، اور اس کے آنکھیں کھولتے ہی مینار میں چاروں طرف اندھیرا چھا گیا، اور چاروں طرف سے سانپوں کی خوفناک پھنکاریں سنائی دینے لگیں۔

"لعل کہاں ہے؟ لعل کہاں ہے؟" بوڑھے نے گھبرا کے اندھیرے میں ٹٹولنا شروع کیا۔

"میرے ہاتھ میں ہے۔" یوسف نے چلا کر کہا۔

لعل کے اندر سے سبز رنگ کی روشنی پھوٹ پھوٹ کے نکل رہی تھی۔ چاروں طرف سے سانپوں کی پھنکاریں بڑھتی جارہی تھیں۔ نہ جانے سانپ کن تہ خانوں کے اندر سے ہوتے ہوئے برف خانے میں آرہے تھے۔

بابا نے چلا کر کہا "جلدی کرو، اس لعل کو توڑ ڈالو۔"

یوسف نے بابا کے ہاتھ سے عصا لے لیا اور اس کی چاندی کی موٹھ کو لعل پر مار مار کر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

لعل کے ٹکڑے ہوتے ہی ایک زور کا دھماکہ ہوا۔ چاروں طرف بجلی سی کوند گئی اور اس بجلی کی روشنی میں بوڑھے نے دیکھا کہ مینار اوپر سے نیچے تک پھٹ گیا ہے، اور اڑاڑادھم کر کے ساری عمارت نیچے آرہی ہے۔

بوڑھے نے چلا کر کہا ''بھاگو بھاگو۔ یہاں سے فوراً بھاگو۔''

بوڑھے نے شہزادی کو اپنے بازوؤں میں اٹھالیا، اور یوسف اور موہن کو عصا پر سوار کر کے مینار سے فوراً باہر نکل آیا۔ ان کے نکلتے ہی مینار کی ساری عمارت دھم سے نیچے گر پڑی۔

سارا شہر ہل گیا۔ بہت سے مکان گر گئے۔ شہر کے اوپر جو لوہے کی جالی لگی ہوئی تھی وہ تو صاف اڑ گئی اور شہر سے بہت دور جا پڑی۔ لوگ چیختے چلاتے ہوئے گھروں سے باہر نکل آئے، راستے میں انہوں نے بہت سے چھوٹے چھوٹے سانپوں کو مرے ہوئے دیکھا۔ مینار کے پاس انہوں نے ایک عجیب تماشا دیکھا۔

انہوں نے دیکھا کہ مینار کے ملبے کے پاس بہت سے اژدہے اور خوفناک سانپ مرے پڑے ہیں۔ لعل جواہر اور قیمتی ساز و سامان کے ڈھیر بکھرے ہوئے پڑے ہیں۔ اور ان کے قریب ایک سبز قبا والا بوڑھا کھڑا ہے اور اس کے ساتھ ایک لڑکی اور دو چھوٹے لڑکے ہیں اور وہ تینوں حیرت سے اس سارے منظر کو دیکھ رہے ہیں۔

لوگ بوڑھے کے پاس آکر دوزانو ہو گئے اور اس کا شکریہ ادا کرنے لگے کہ اس نے انہیں سانپوں سے نجات دلائی تھی۔

بوڑھے نے کہا'' میرا شکریہ ادا نہ کرو۔ ان تین ننھے بچوں کا شکریہ ادا کرو جن کی بہادری سے تمہاری زندگیاں بچ گئی ہیں۔ آج کے بعد تمہیں کوئی سانپ نہیں کاٹے گا۔ سانپوں کی سرکار ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی ہے۔''

لوگوں نے خوشی سے تینوں بچوں کو اپنے کندھوں پر اٹھالیا، اور سارے شہر میں بڑی دھوم دھام سے ان کا جلوس نکالا۔

اس رات یہ تینوں بچے بابا کے تہہ خانے میں سوئے۔ صبح اٹھ کر یوسف نے بوڑھے کا شکریہ ادا کیا اور درخت پر آگے بڑھنے کی اجازت چاہی۔

بوڑھے نے کوئی جواب نہ دیا اور اپنے جادو کے آئینے کو ٹھیک کرنے میں مصروف ہو گیا۔

یوسف نے پوچھا'' بابا ہم جائیں؟''

یکا یک جادو کا آئینہ کام کرنے لگا۔ یوسف نے دیکھا کہ ایک جھونپڑا ہے اور اس کے باہر بہت سے آدمی جمع ہیں اور شور و غل کر رہے ہیں۔ یکا یک یوسف نے پہچان لیا کہ یہ تو اس کا جھونپڑا ہے۔ بوڑھا کچھ نہ بولا'' جادو کے آئینے میں دیکھتا رہا۔

پھر یوسف نے دیکھا کہ بہت سے سپاہی ایک کھاٹ اٹھا کر باہر لائے اور اسے زور سے پھینک دیا۔ کھاٹ پر سوئی ہوئی ایک بڑھیا گھبرا کے اٹھی اور چیخنے لگی۔'' یوسف، یوسف، تم کہاں ہو؟ بادشاہ کے سپاہی میرا گھر چھین رہے ہیں۔ یوسف میرے بیٹے تم کہاں ہو؟''

"ماں" یوسف کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

بوڑھے نے پلٹ کر کہا "تمہاری ماں مصیبت میں ہے۔"

"ہاں بابا" یوسف نے گھبرا کے کہا "مجھے فوراً اس کی مدد کے لئے پہنچنا چاہیے۔"

بابا نے جادو کے آئینے کے تار الگ کر دیے اور آہستہ سے کہا "تو چلو چلتے ہیں۔"

بابا نے عصا پر تینوں کو بٹھایا اور الٹے درخت کی شاخوں سے نیچے کو جانے لگے۔ اب تک یوسف اور اس کے ساتھی درخت کے اوپر چڑھتے آ رہے تھے۔ مگر اب وہ واپس یوسف کے گھر کو جا رہے تھے۔

سیکڑوں میل تک نیچے اور نیچے درخت کی شاخیں پھیلی ہوئی تھیں اور ان شاخوں کے اوپر گویا تیرتے ہوئے وہ تینوں جا رہے تھے۔

یکا یک موہن نے پوچھا "بابا اس شہر میں جسے ہم ابھی پیچھے چھوڑ کے آئے ہیں، وہ سانپ کہاں چھپے ہوئے تھے؟"

بابا نے کہا "بیٹا وہ سانپ نہیں تھے وہ آدمی تھے اور آدمی کے بھیس میں لوگوں کے ساتھ رہتے تھے اور وقت اور موقع دیکھ کر ڈنک مارتے تھے۔ ایسے آدمی سانپوں سے بھی زیادہ خطرناک ہوتے ہیں، جو آدمی کے بھیس میں رہتے ہیں اور لوگوں کو ڈستے ہیں۔"

"ایسے آدمیوں کی پہچان کیا ہے؟" شہزادی نے پوچھا۔

"بیٹی ایسے آدمیوں کے دل میں زہر بھرا رہتا ہے اور ان کی آنکھوں میں پتلیوں کی بجائے چاندی کی ٹکلیاں ہوتی ہیں۔ اگر تم ان آنکھوں میں غور سے دیکھو تو تم ان کو بخوبی پہچان سکو گی۔ یہی وہ آدمی ہیں۔ جو آدمیوں کو لوٹتے ہیں اور ان میں جنگیں کراتے ہیں۔ ان آدمیوں کی آنکھوں میں پتلیاں نہیں ہوتیں۔ چاندی کی گول گول ٹکلیاں ہوتی ہیں۔"

عصا تیزی سے اڑا جا رہا تھا۔ اب درخت کا تنا نزدیک آ رہا تھا اور شگاف سے روشنی بھی چھن کر آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں عصا نیچے اترتا ہوا شگاف کے باہر نکل آیا۔ اب وہ چاروں یوسف کے جھونپڑے کے باہر کے چھوٹے سے باغیچے میں تھے جہاں بہت سے گاؤں والے، گاؤں کا کھوجی، بادشاہ اور سپاہی جمع تھے اور یوسف کی بڑھی ماں رو رو کر بیان کر رہی تھی۔

یوسف نے چلا کر کہا "ماں"

ماں نے حیران ہو کر اپنے بیٹے کی طرف دیکھا۔ پھر دوڑ کر اس سے بغلگیر ہوئی۔ وہ یوسف کا منہ چومتی جاتی تھی اور روتی جاتی تھی۔ یکا یک بادشاہ نے غصے سے چلا کر کہا "اسے بھی پکڑ لو۔"

بادشاہ کے سپاہیوں نے یوسف کو بھی پکڑ لیا۔

بوڑھے نے بادشاہ سے پوچھا "اس غریب لڑکے کا کیا قصور ہے۔ بادشاہ نے کہا "یہ بھگوڑا ہے، یہ میری فوج میں لڑنا نہیں چاہتا۔ میں ساتھ والے غار پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے میری فوج میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔"

بوڑھے نے کہا "تم دوسرے ملک پر کیوں حملہ کرنا چاہتے تھے؟"

"مجھے دولت کی ضرورت ہے۔"

"تم کتنی دولت چاہتے ہو؟" بوڑھے نے پوچھا اور اپنی قبا میں ہاتھ ڈال کے مٹھی بھر لعل و جواہر زمین پر بکھیر دیے۔

بادشاہ اور اس کے سپاہی جلدی جلدی سے لعل وجواہر چننے لگے۔ بوڑھے نے دوسری بار جیب میں ہاتھ ڈال کے ایک اور مٹھی لعل وجواہر نکالے اور انہیں الٹے درخت والے گڑھے میں پھینک دیا۔

چند سپاہیوں نے شگاف کے اندر چھلانگ لگا دی۔

بادشاہ نے اس بوڑھے سے کہا ”تم نے کیا کیا؟“

بوڑھے نے کہا ”میں نے تمھیں راستہ دکھایا ہے۔ ہم لوگ اس غار کے اندر سے آئے ہیں۔ وہاں اندر لعل وجواہر کی لاکھوں کانیں ہیں۔ وہاں تم اتنی دولت سمیٹ سکتے ہو جتنی یہاں کبھی حاصل نہیں کر سکتے۔“

بادشاہ ارو اس کی لالچی بیٹی دونوں نے گڑھے میں چھلانگ لگا دی۔ یوسف نے چلا کے کہا ”ٹھہرو ٹھہرو۔“

مگر بوڑھے نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ”انہیں مت روکو۔ یہ سب لوگ اب گڑھے کے اندر جا چکے ہیں۔ اب تم جلدی سے اس شگاف کو مٹی ڈال کے بھر دو۔“ یوسف حیران کھڑا رہا۔

بوڑھے نے شہر کے گاؤں والوں سے کہا ”اگر تم بادشاہ سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہو تو یہی وقت ہے۔ جلدی سے اس گڑھے کو مٹی ڈال کے بھر دو۔ کہیں بادشاہ لوٹ نہ آئے۔“ بات یوسف کی سمجھ میں آ گئی۔

یوسف نے بیلچہ ہاتھ میں لے لیا، اور مٹی ڈالنے لگا۔ اس کی دیکھا دیکھی گاؤں کے دوسرے نوجوان بھی مٹی ڈالنے لگے۔ تھوڑی دیر میں سارے گاؤں نے گڑھے کو مٹی ڈال

کے بھر دیا۔

جب گڑھا بالکل بھر گیا اور مٹی زمین کے برابر ہوگئی تو یوسف نے بڑی حسرت سے کہا ”مگر بابا اس کے اندر تو میرا درخت تھا۔“

بوڑھے نے کہا ”وہ درخت تو اب بھی موجود ہے۔ اس درخت پر چڑھ کے تم نے زندگی کا اتنا تجربہ حاصل کیا ہے اب اس تجربہ سے اپنے گاؤں والوں کو بھی فائدہ پہنچاؤ۔ اس درخت نے جو کچھ تمہیں سکھایا ہے وہ سب تم اپنے ہمسایوں کو سکھا سکتے ہو۔“

”مگر بابا تو پورے طور پر اس درخت پر چڑھا بھی نہیں۔“

یوسف نے کہا ”میں نے تو اس کی چوٹی بھی نہیں دیکھی۔ بابا مجھے اس درخت کی چوٹی دیکھنے کی بڑی خواہش تھی۔“

بوڑھے نے مسکرا کر کہا۔ ”بیٹا یہ کوئی معمولی درخت نہیں ہے۔ یہ انسان کی ترقی کا درخت ہے۔ اس کی چوٹی آج تک کسی نے نہیں دیکھی۔“

یوسف کے چہرے سے پریشانی اور حیرت دور ہوگئی۔ اس کے دل کے بہت سے تاریک کونوں میں روشنی پھیل گئی۔ یکا یک اس کی سمجھ میں بہت کچھ آگیا۔ اس نے بڑی عزت سے بابا کی قبا کو چوم لیا اور بولا۔

”بابا تم نے مجھے بہت کچھ سکھایا ہے۔ میں تمہارا شکریہ کیسے ادا کرسکتا ہوں۔ بس میں یہی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آج سے یہ جھونپڑا آپ کا ہے۔ آج سے آپ ہمارے ساتھ رہو بابا۔ اس چھوٹے سے جھونپڑے میں۔ یہاں موہن بھی رہے گا اور یہ شہزادی بھی۔“

بابا نے شہزادی کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا ”یوسف سبھی چھوٹی لڑکیاں شہزادی ہوتی ہیں۔ تم اس کو اپنے گھر میں رکھو اور اپنے دوست موہن کو بھی۔ اپنی ماں کی خدمت کرو۔ اپنے گاؤں والوں کو اپنے علم اور تجربے سے فائدہ پہچاؤ۔ میں چلتا ہوں۔“

کیوں بابا آپ رکیں گے کیوں نہیں؟“ موہن نے پوچھا۔

”رک جایئے۔“ شہزادی نے بابا سے لپٹ کر بڑے پیار سے کہا۔

”رک نہیں سکتا بیٹی۔“ بابا نے آہستہ سے کہا ”میرا کام رکنا نہیں۔ چلنا ہے۔ میں چلتا رہتا ہوں۔ ہمیشہ چلتا رہتا ہوں۔ کیونکہ میرا نام تاریخ ہے۔“

یہ کہہ کر بابا نے پھڑ پھڑاتے پروں والے عصا کو اپنے ہاتھ میں لیا اور آگے چل پڑا، اور بہت دور تک یوسف، شہزادی اور موہن کی نگاہیں اس کا پیچھا کرتی رہیں۔ آخر راستے کے ایک موڑ پر آکے وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔

یوسف کی ماں نے بڑے پیار سے یوسف اور اس کے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور کہا۔

”بابا ٹھیک کہتا تھا۔ چلو۔ تمہارا گھر تمہاری راہ دیکھ رہا ہے۔“

اور یوسف نے موہن اور شہزادی کا ہاتھ پکڑا اور تینوں یوسف کی ماں کے پیچھے پیچھے پھولوں والی کیاریوں سے گزرتے ہوئے جھونپڑے کے اندر چلے گئے۔

(ختم شد)

کہکشاں

چمن چمن کے پھول

ٹپک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے
سراپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستاں میری

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشہ کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

چشمِ حیراں ڈھونڈتی اب اور نظارے کو ہے
آرزو ساحل کی مجھ طوفان کے مارے کو ہے

چاند نکلا تو غضب ڈھا جائے گا
رات بہتر ہے یہ کالی ہی رہے

یہ رنگ چہرے کے اور خواب اپنی آنکھوں کے
ہوا چلے کوئی ایسی بکھر نہ جائیں کہیں

دعا ہے ایسا کوئی حادثہ ہم پہ نہیں گزرے
اجالا گھر میں ہو آنکھیں مگر بے نور ہو جائیں

یہ تیرگی تو بہرحال چھٹ ہی جائے گی
نہ راس آئی ہمیں روشنی تو کیا ہوگا

چاند کا دشت بھی آباد کبھی کر لینا
پہلے دنیا کے یہ اجڑے ہوئے گھر تو دیکھو

بعض اوقات دل کی دنیا بھی
آنکھ کے فیصلوں پہ چلتی ہے

لے گئیں جانے کہاں ہوائیں ان کو
پھول سے لوگ جو دامن میں صبا رکھتے تھے

سلطان احمد ساحل

جگالی کرنے والے جانور

گائے، بھینس، بیل اور بکری وغیرہ جگالی (چبانا) کیوں کرتے ہیں؟ گھوڑا جگالی کیوں نہیں کرتا ہے۔ ساتھ ہی گھوڑا کے سر پر سینگ کیوں نہیں ہوتی ہے؟

گائے، بھینس، بیل، ہرن اور بکری وغیرہ غذا کو جگالی کرنے والے جانور ہیں جو عام طور پر اپنی حفاظت اچھی طرح سے نہیں کر سکتے ہیں، انھیں ہمیشہ اپنے سے زیادہ طاقتور اور گوشت خور جانوروں سے ڈر، خوف لگا رہتا ہے، اس کے علاوہ وہ اپنے دشمن جانوروں کے مقابلے میں تیز دوڑ کر اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکتے ہیں—اس کی خاص وجہ جسم کی کمزوری اور بھاری بھرکم ہے۔ ساتھ ہی اُن کے جسم کی کمزوری کے علاوہ پاؤں کی بناوٹ بھی ہے ۔ خطرے کو بھانپتے ہوئے گوشت خور جانوروں سے بچتے، بچاتے جلدی، جلدی اپنی غذا حاصل کر کے حفاظتی مقام پر پہنچ جانا بہتر سمجھتے ہیں۔ وہی جانور جو چوپائے ہوتے ہیں ایسی حالت میں تیز رفتار سے دوڑ کر اپنی جان بچا پانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

اس طرح کے چوپائے جانوروں میں معدہ کا پھیلاؤ کچھ زیادہ ہوتا ہے اس لیے ایسے جانور جلدی جلدی ڈھیر ساری خوراک یا غذا کو معدہ کی تھیلی میں ایک جگہ اکٹھا کر لیتے ہیں۔ یہ خوراک پیٹ کے ہاضمہ کی تھیلی میں نہیں جاتی ہے اور یہ غذا جانوروں کے لیے بالکل محفوظ ہو جاتی ہے۔ پھر اسی خوراک کو پیٹ کی تھیلی سے ضرورت کے وقت نکال کر

جبڑے سے چبانے کا کام جاری رہتا ہے اور پھر یہی جمع کیا ہوا غذا ہاضمہ کی تھیلی میں آرام سے چلا جاتا ہے!

اس کے برعکس گھوڑا پھرتیلا چوپایہ جانور ہوتا ہے۔ خطرہ پیدا ہونے کی صورت میں تیزی سے دوڑ کر اپنی جان ہی نہیں بچا سکتا ہے بلکہ اپنی لمبی لمبی ٹانگ سے دشمن پر وار بھی کر سکتا ہے۔ گھوڑا گھاس کے میدان کا جانور ہے۔ جنگل میں گھوڑا گھاس کے میدان میں ہی رہتا ہے اس لیے گھوڑا اپنے اصطبل سے دور بھی غذا کے لیے نہیں جاتا ہے۔ اس لیے اس کے معدے کا پھیلاؤ دوسرے جانوروں کی طرح نہیں ہوتا ہے۔ گھوڑوں کو سینگ نہیں ہوتی ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے۔ گائے، بھینس، بیل اور بکری یا دوسرے چوپائے جانور تیز رفتار سے نہیں دوڑ سکتے ہیں اس لیے خطرہ جھیلتے وقت اپنی سینگوں سے حملہ کر کے اپنا بچاؤ کر لیتے ہیں۔ گھوڑا تیز رفتار سے دوڑ کر اپنی جان ہی نہیں بلکہ وہ اپنے پچھلے پیروں پر کھڑا ہو کر ہنہناتے ہوئے دشمن پر حملہ بھی کر سکتا ہے۔

■

Sultan Ahmad Sahil, New D. S. Cable
Flat No 34, Cable Town, P.O: Golmuri
Jamshedpur - 831003 (Jharkhand)

اچھی باتیں

بشریٰ بی شیخ

(1) خیرات مال میں اضافہ کرتی ہے۔
(2) انسان کا سب سے بڑا دشمن نفس ہے۔
(3) احسان دشمن کو بھی زیر کر لیتا ہے۔
(4) خاموش فضول گوئی سے بہتر ہے۔
(5) سچ بولنے والا دشمن جھوٹے دوست سے اچھا ہے۔
(6) توبہ گناہ کو کھا جاتا ہے۔
(7) نیکی بدی کو کھا جاتی ہے۔
(8) علم سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں۔
(9) فکر عمر کو کھا جاتی ہے۔
(10) سب سے بڑی بہادری بدلہ نہ لینا ہے۔
(11) محبت کے بغیر خوبصورتی زہر ہے۔
(12) دل کی صفائی سب سے زیادہ ضروری ہے۔
(13) سب سے اچھا نشہ خدمت خلق کی ہے۔
(14) جھوٹ رزق کو کھا جاتا ہے۔
(15) غصہ عقل کو کھا جاتا ہے۔

■

Bushra Bi Shaikh
Mahboob Nagar Palika Urdu School, No. 24

تصویروں میں ہندوستان

ہندوستان کے خوبصورت ریلوے اسٹیشن

نئی دہلی ریلوے اسٹیشن

آنند وہار ریلوے اسٹیشن، دہلی

بنگلورو ریلوے اسٹیشن، کرناٹک

چارباغ ریلوے اسٹیشن لکھنؤ، یوپی

چنئی ریلوے اسٹیشن، تمل ناڈو

کٹک ریلوے اسٹیشن، اڈیشا

وجے واڑہ ریلوے اسٹیشن، آندھرا پردیش

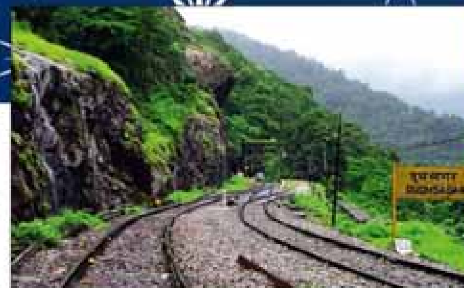
دودھ ساگر ریلوے اسٹیشن

گھم ریلوے اسٹیشن، دارجلنگ، مغربی بنگال

گورکھپور ریلوے اسٹیشن، یوپی

ہاوڑہ ریلوے اسٹیشن کولکاتا، مغربی بنگال

کھڑگ پور ریلوے اسٹیشن مغربی بنگال

چھترپتی شیواجی ریلوے اسٹیشن، ممبئی

تروانت پورم ریلوے اسٹیشن، کیرالا

واسی ریلوے اسٹیشن، ممبئی

اردو کا جشن

مقصود الٰہی شیخ

ہماری زبان اردو بڑی میٹھی زبان ہے۔ ایک عالم میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ کوئی ایک سو ملکوں میں اس کے بولنے والے اور کچھ لکھنے پڑھنے والے موجود ہیں۔ دنیا کی سب سے زیادہ بولی جانے والی زبانوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ ترکی کی استنبول یونیورسٹی میں ایک سو سال سے اردو پڑھائی جا رہی ہے، وہاں وسط اکتوبر 2015 میں اردو کا شاندار سو سالہ جشن منایا گیا۔ دنیا بھر سے اردو کے عالم فاضل اور دانشور آئے جنھوں نے اپنے قیمتی خیالات مقالوں کی صورت میں پیش کیے۔ زبان و ادب کی بہتری کے لیے تجویزیں پیش کیں اور بڑے پیمانے پر میل ملاقاتیں رہیں۔ ہر طرف اردو ہی اردو تھی۔ امریکہ، برطانیہ، یورپ، ایران، پاکستان، بنگلہ دیش اور ہندوستان سے وفود آئے ہوئے تھے۔ یہ سب اردو کے بارے میں بڑے پرجوش اور پرامید تھے۔ دوستی، امن اور شانتی کا ماحول تھا۔

بچو! یوں تو ترک مہمان نواز اور خوش اخلاق ہیں۔ ان کی یہ بات من بھائی اور بہت پسند آئی کہ اس یونیورسٹی میں اردو پڑھنے پڑھانے والے ترک، کیا استاذ کیا طالب علم سبھی درست اردو بولتے ہیں اور اردو بولتے ہوئے اس میں انگریزی کے الفاظ کا پیوند نہیں لگاتے!

استنبول یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے موجودہ سربراہ پروفیسر ڈاکٹر خلیل طوق آر نے دن رات محنت کر کے اس سو سالہ اردو جشن یا تقریب کو کامیاب بنایا اور اس شاندار کامیابی کا سہرا انھیں کے سر ہے!

■

Maqsood Elahi Shaikh
Bradford, England

سراب (Mirage) کیسے بنتا ہے؟

کئی مرتبہ لوگ ریگستان یا گرم علاقے میں بھٹک جاتے ہیں۔ سورج کی تپش اور گرمی سے جب ان کی حالت غیر ہوجاتی ہے تو وہ پانی تلاش کرتے ہیں۔ اس وقت ریگستان کے دور دراز علاقے میں جھیل یا سمندر نظر آتا ہے۔ پیاسا انسان اسی طرف چلنے لگتا ہے وہ چلتا رہتا ہے، چلتا رہتا ہے لیکن پانی کہیں نظر نہیں آتا۔ دراصل ریگستان یا گرم علاقوں میں یہ نظروں کا دھوکہ ہوتا ہے۔ اسے سراب (Mirage) کہتے ہیں۔

آخر تپتی زمین پر جب انسان پیاس سے بے حال ہوتا ہے تو اسے پانی کیوں نظر آتا ہے؟ سراب ماحول میں موجود سورج کی شعاعوں سے پیدا ہونے والا نظروں کا واہمہ ہے۔ اس میں کہیں دور پانی میں لہراتی چیزوں کے سائے نظر آتے ہیں اور دیکھنے والا اسے پانی سمجھ لیتا ہے۔ لیکن اس جانب بڑھنے پر نظروں کا یہ دھوکہ ختم ہوجاتا ہے۔ سورج کی تیز شعاؤں اور زمین کے بڑھتے درجہ حرارت کے سبب ہونے والے انعکاس کے سبب سراب بنتا ہے۔

دراصل ہوتا کیا ہے کہ سطح زمین کا درجہ حرارت بڑھ جاتا ہے۔ اس وقت سطح زمین کے قریب کی ہوا ماحول میں موجود ہوا سے زیادہ گرم ہوجاتی ہے۔ سطح زمین کے قریب والی ہوا گرم ہوکر اوپر اٹھنے لگتی ہے اور اوپر کی ہوا ٹھنڈی ہونے کے سبب کچھ بھاری ہوتی ہے۔ اسی صورت میں ہوا میں سطح زمین کی چیزیں منعکس (Reflect) ہونے لگتی ہیں۔

ایسے میں پیڑ پودوں، مکانوں اور پہاڑوں وغیرہ سے ٹکرا کر آنے والی روشنی کی شعاعیں اپنے صحیح راستے سے ہٹ جاتی ہیں۔ روشنی کی کرنیں بالکل سیدھی ہوکر 90 ڈگری کے زاویے پر آجاتی ہیں اور آس پاس دکھنے والی چیزوں کی پرچھائی الٹی دکھنے لگتی ہے۔ دور سے دیکھنے پر لگتا ہے کہ گرم علاقے یا ریگستان کے کنارے پر پانی ہے جس میں آس پاس کی چیزوں کی الٹی پرچھائی نظر آرہی ہے۔ پانی کی تلاش کرنے والا انسان اور جانور دونوں ہی اس واہمہ کا شکار ہوجاتے ہیں۔

■

Najma Parveen
2793, Pahari Bhojla, Turkaman Gate, Delhi - 6

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہوگئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کر سکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کر لیں تو سمجھیے کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

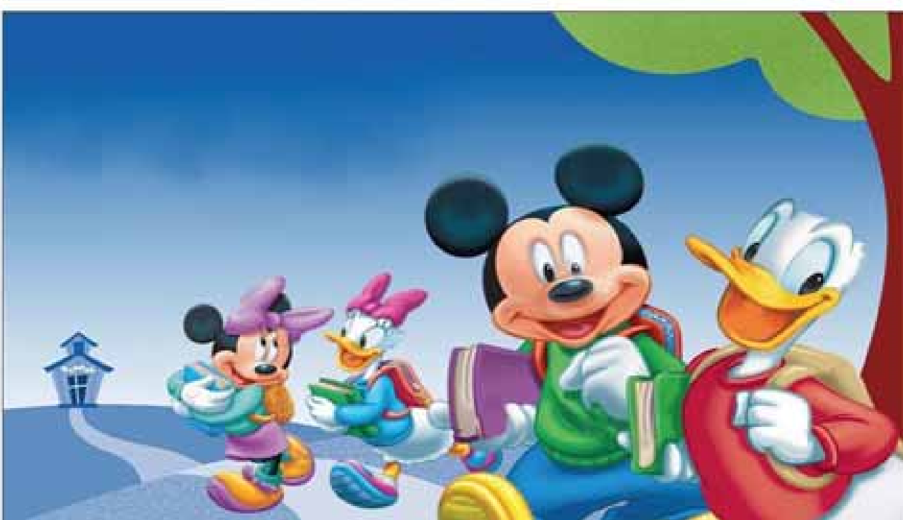

جوابات اگلے شمارے میں تلاش کریں۔

ہنسی کے غبارے

ایک فوجی افسر کی ایک ٹانگ لڑائی میں کٹ گئی۔ انھوں نے لکڑی کی عمدہ ٹانگ بنوائی جو بالکل اصلی لگتی تھی۔ ایک مرتبہ جھگڑے میں ان کی ٹانگ میں پولس کی گولی لگ گئی تو ان کا دوست بولا: گھبراؤ نہیں میں ابھی سرجن کو بلاتا ہوں۔ فوجی افسر بولا: نہیں بھائی کسی بڑھئی کو بلاؤ۔

ایک بے روزگاری کا مارا ہوا نوجوان چڑیا گھر میں ملازم ہوگیا۔ اس کی ڈیوٹی یہ تھی کہ ریچھ کی کھال پہن کر بیٹھا رہے۔ اس کے ساتھ ہی شیر کا پنجرہ تھا اتفاقاً ایک شیر کے پنجرے کا دروازہ کھلا رہ گیا اور شیر ٹہلتا ہوا اس کے پنجرے میں آنکلا۔ اس شخص نے چیخنا چلانا شروع کردیا کہ مارا گیا... بچاؤ... بچاؤ۔

شیر اپنا منہ اس کے کان کے قریب لایا اور کہنے لگا ”خود تو نوکری سے نکلو گے، کیا مجھے بھی نوکری سے نکلوانا ہے۔“

ایک مرتبہ اکبر بادشاہ سے لوگوں نے شکایت کی کہ آپ کی حکومت میں ایک ایسا آدمی ہے جس کا منہ صبح صبح دیکھو تو دن بھر کھانا ہی نہیں ملتا۔ بادشاہ نے اُسے آزمانے کے لیے بلایا اور اپنے کمرے کے سامنے سلا دیا اور صبح اس کا منہ دیکھا اور واقعی اس دن کوئی ایسی بات ہوگئی کہ جس کی وجہ سے بادشاہ دن بھر کھانا نہ کھاسکا۔ بادشاہ نے اس آدمی کو پھانسی کا حکم دے دیا۔

اس آدمی نے بیربل سے التجا کی وہ اسے پھانسی سے بچالے۔

بیربل نے بادشاہ سے پوچھا آپ اسے پھانسی کیوں دے رہے ہیں؟

بادشاہ نے کہا: ”یہ آدمی منحوس ہے، میں نے آج صبح اس کی شکل دیکھی تو مجھے کھانا نصیب نہیں ہوا۔

بیربل نے کہا: بادشاہ سلامت آپ نے اس کی صورت دیکھی تو آپ کو کھانا نصیب نہ ہوا اور اس نے صبح آپ کی صورت دیکھی تو موت کا حکم مل گیا تو منحوس کون ہوا؟“

ایک عورت گھر کے کام کاج میں مصروف تھی، اس کا چھوٹا بچہ دوسرے کمرے میں مسلسل روئے جارہا تھا اور بڑا بچہ اس کے سامنے بیٹھا بسکٹ کھا رہا تھا۔ کافی دیر گزر گئی تو عورت نے چیخ کر کہا: ارے منے تمھارا بھائی کیوں رو رہا ہے؟ بڑے بچے نے وہیں سے جواب دیا: امی! وہ بسکٹ کا پیکٹ مانگ رہا ہے، آپ کام کرتی رہیں میں خالی کرکے ابھی اسے دیتا ہوں۔

واثق رحمن

فاختہ کا گھونسلہ

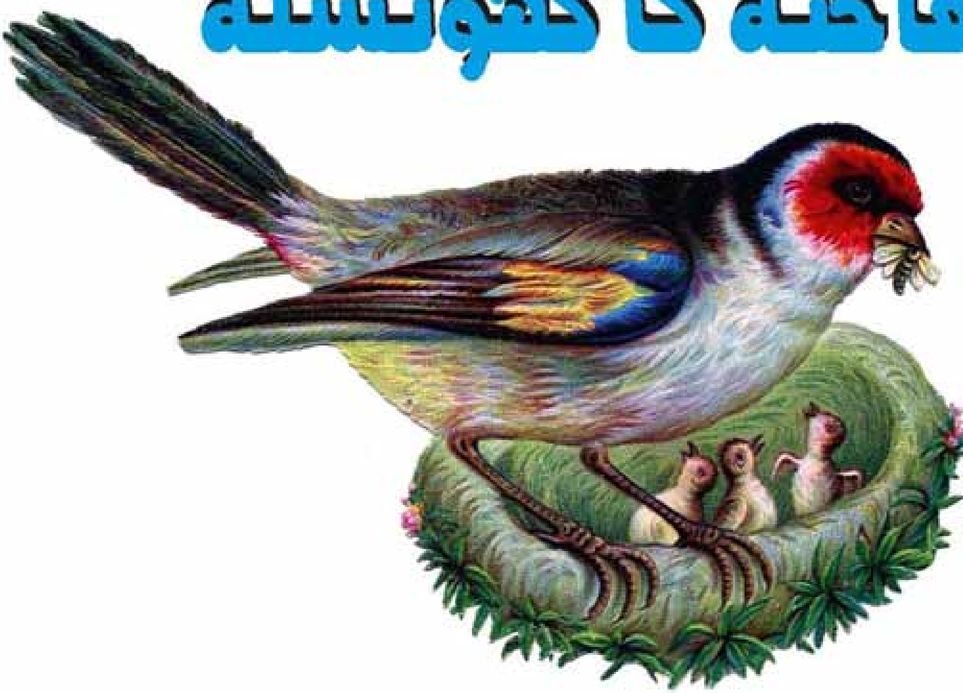

مجھے چڑیاں اچھی لگتی ہیں۔ ان کا پھدکنا، اُڑنا اور چہچہانا بہت اچھا لگتا ہے۔ میرے ممی، پاپا اور اپیا، باجی بھی چڑیوں کو پسند کرتے ہیں۔ ثنا اپی تو ان سے بہت پیار کرتی ہیں۔ ہم سب چڑیوں کو دانا ڈالتے ہیں۔ انھیں پانی پلاتے ہیں۔ انھیں کسی طرح بھی پریشان نہیں کرتے۔ چڑیاں بھی ہم سے ہل گئی ہیں۔ وہ بھی ہمارے پاس آجاتی ہیں۔

ہمارے گھر میں پھولوں کی ایک بیل ہے اس پر فاختہ نے گھونسلہ بنالیا ہے۔ وہ اس میں رہتی ہے۔ جب اس نے گھونسلہ بنانا شروع کیا تھا۔ اس کے لیے تنکے اکٹھا کر رہی تھی۔ تو پاپا نے مجھ سے کہا تھا۔ بیٹا! واثق دیکھو فاختہ اپنا گھونسلہ بنا رہی ہے۔ تم اس کو پریشان مت کرنا۔ اس کا گھونسلہ مت توڑ دینا۔ اچھے بچے اللہ کی مخلوق سے پیار کرتے ہیں۔ تمھیں بھی ان سے پیار کرنا چاہیے۔ میں نے کہا۔ پاپا! میں تو ان سے بہت پیار کرتا ہوں۔ مجھے چڑیاں اچھی لگتی ہیں۔ میں فاختہ کا گھونسلہ نہیں توڑوں گا۔ پاپا یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور مجھے بہت سا پیار کیا۔

فاختہ نے گھونسلہ بنالیا۔ اب وہ روز اپنے گھونسلہ میں آتی ہے اور ہمارا دل بہلاتی ہے۔ اس نے انڈے بھی دیے جن میں سے بچے نکل آئے۔ ننھے منے چھوٹے چھوٹے بچے۔ بہت چھوٹے ہیں وہ۔ فاختہ ان کا پیٹ بھر آتی ہے۔ ابھی وہ گھونسلہ میں ہی رہتے ہیں۔ جب بڑے ہوجائیں گے۔ فاختہ ان کو اڑنا سکھا دے گی اور وہ بھی اڑنے لگیں

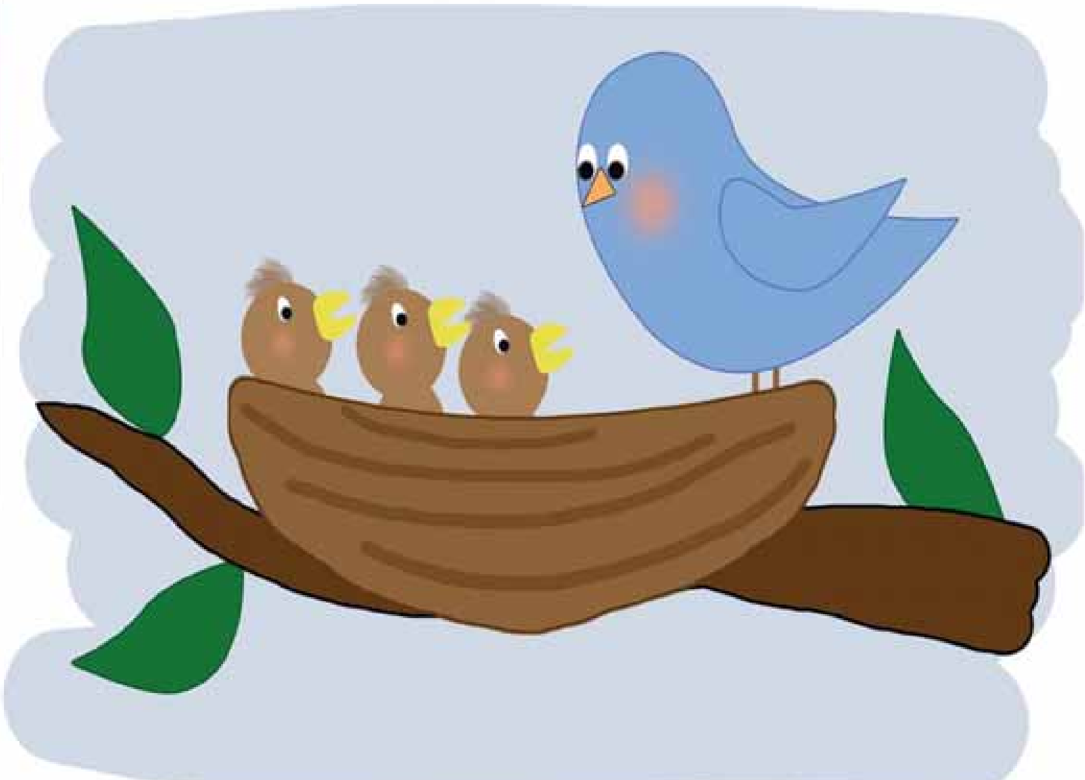

گے۔ کتنے خوش ہوں گے وہ اڑ کر۔ ہمیں فاختہ اور اس کے بچے بہت ہی اچھے لگتے ہیں۔ اس کا گھونسلے میں آنا اور بچوں کا دانا دینا بہت ہی اچھا لگتا ہے۔ پاپا نے کہا۔ دیکھو بچو! فاختہ کے گھونسلے کے پاس زیادہ نہیں جانا ورنہ اس کے بچے ڈر جائیں گے اور اللہ تعالیٰ تم سے ناراض ہوگا۔ ہم نے کہا۔ پاپا! ہم ان کو پریشان نہیں کرتے بلکہ کوے اور دیگر جانوروں سے بھی ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ پاپا بولے! شاباش۔ یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ جو دوسروں کی حفاظت اور مدد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت خوش ہوتا ہے۔

فاختہ ہمیں اس لیے بھی اچھی لگتی ہے کہ وہ بڑا سیدھا سادہ پرندہ ہے۔ وہ کبھی کسی کو نہیں ستاتی۔ پریشان بھی نہیں کرتی۔ اس لیے سب کو اچھی لگتی ہے۔ فاختہ تو امن پسند ہے۔ پیار اور دوستی کا پیغام دیتی ہے۔ جب وہ گھر کی منڈیر، پیڑ کی شاخ پر یا اپنے گھونسلے میں بیٹھ کر "اے دوستو، اے دوستو" کا نعرہ بلند کرتی ہے۔ تو فضا میں ہر طرف دوستی کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے اور ہواؤں میں محبت کے گیت گنگنانے لگتے ہیں۔

پیارے بچو! ہمیں بھی ایک دوسرے سے دوستی کرنی چاہیے اور پیار کے ساتھ آپس میں مل جل کر رہنا چاہیے۔

■

Wasiq Rahman
Class: VI, Allama Iqbal School
Sambhal (UP)

فوزیہ عارف، درجہ پنجم، وارث پورہ، کامٹی

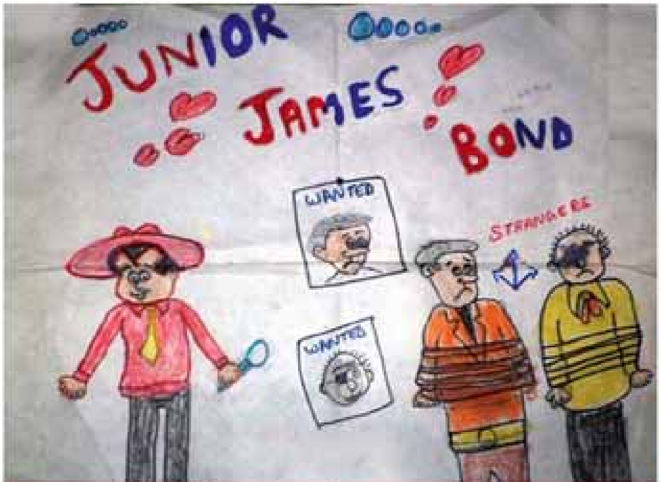

عباد وسیم، کلاس فرسٹ (اے)، عرشی پبلک اسکول، بلی ماران، دہلی

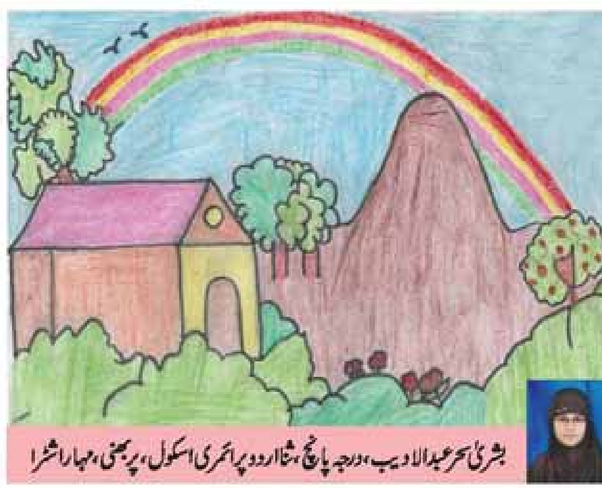

بشریٰ سحر عبدالادیب، درجہ پانچ، شاہ اردو پرائمری اسکول، پربھنی، مہاراشٹرا

عاقب خان انیس خان، ساتویں جماعت، ریگولاردو ہائی اسکول، نندوبار

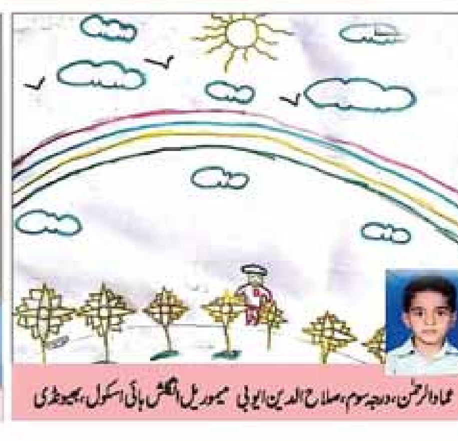

عمادالرحمٰن، درجہ سوم، صلاح الدین ایوبی میموریل انگلش ہائی اسکول، بھیونڈی

ایم یاسین سمیع ولد ایم شیخ، تاج اردو ہائی اسکول، اکولہ، مہاراشٹرا

شیخ اسرار، درجہ 8، ضلع پریشد اردو پرائمری اسکول، ساکرشاہ

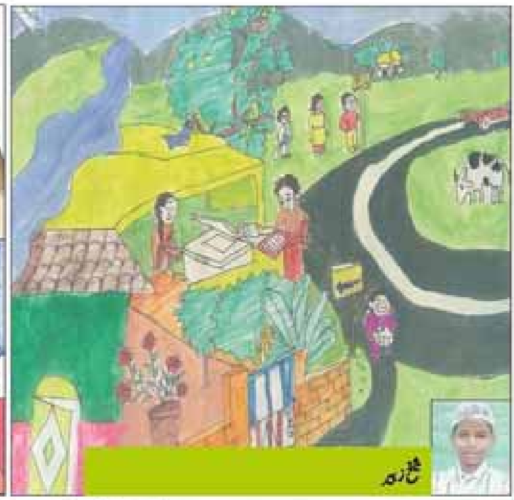

شیخ زبیر

مزینہ فردوس بنت دلشاد حسین اصلاحی، درجہ ہشتم، پبلک انٹر کالج، سہاس پور، بجنور، یوپی

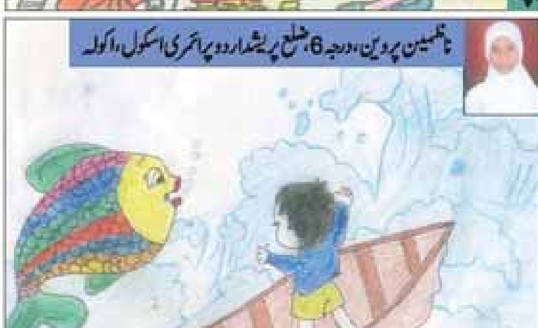

ناظمین پروین، درجہ 6، ضلع پریشد اردو پرائمری اسکول، اکولہ

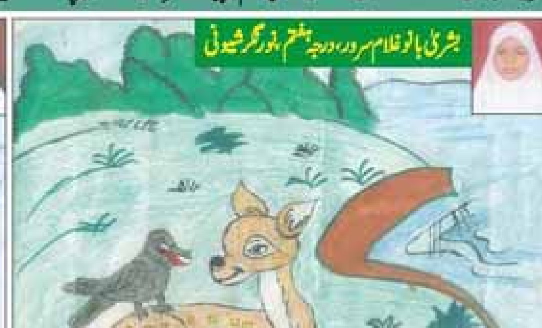

بشریٰ بانو غلام سرور، درجہ ہشتم، نور نگر شیونی

Facebook اردو فیس بک

میرا نام عروج پرویز ہے۔ میں دس سال کی ہوں اور میں چوتھی جماعت میں پڑھتی ہوں۔ کونسل کی جانب سے شائع ہونے والا رسالہ 'بچوں کی دنیا' میں خوب ذوق وشوق سے پڑھتی ہوں۔ یہ رسالہ میری امی ہر ماہ میرے لیے لاتی ہیں۔ اس میں شائع ہونے والے سبھی مضامین بہت ہی دلچسپ اور سبق آموز ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس رسالے کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا کرے۔

عروج پرویز، ابوالحسن ہائی اسکول، کلکتہ

انکل جی آداب! میرا نام شیخ عظمیٰ ہے۔ میں نہم جماعت کی طالب علم ہوں۔ میں اردو کونسل کا بہت شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔ انکل جی مجھے بچوں کی دنیا بہت اچھی لگتی ہے۔ انکل جی میں نے ستمبر میں ڈرائنگ بنا کر بھیجی تھی آپ نے اسے بچوں کی دنیا میں جگہ دی اس کے لیے بہت بہت شکریہ!

شیخ عظمیٰ حنیف، جماعت نہم (الف) علی صاحب محلہ نندوربار

میرا نام محمد نعمان احمد ہے۔ مجھے 'بچوں کی دنیا' بے حد پسند ہے۔ میں اسے روزانہ پڑھتا ہوں۔ مجھے کہانی لکھنے کا بہت شوق ہے۔ میں بہت سی کہانیاں لکھ بھی چکا ہوں۔ کیا میں بھی بچوں کی دنیا میں اپنی لکھی ہوئی کہانیوں کو بھیج سکتا ہوں۔

- آپ اپنی کہانی ضرور بھیجیں۔ اگر وہ معیاری ہوئی تو شائع کی جائے گی۔ (ادارہ)

محمد نعمان احمد، الجامعۃ الاشرفیہ، روم نمبر C/1، مبارک پور اعظم گڑھ

میں اور میرے اسکول کی سیکڑوں طالبات گذشتہ ڈیڑھ سال سے 'بچوں کی دنیا' پابندی سے پڑھ رہی ہیں۔ سچ پوچھیے تو اس رسالے نے ہمیں کتاب دوست بنا دیا ہے۔ مجھے اسکول میں بیسٹ ریڈر کا ایوارڈ بھی ملا ہے۔ ہم سب بہت بے صبری سے 'بچوں کی دنیا' کا انتظار کرتے ہیں۔ اب میں بھلا اس کی تعریف میں کیا کہوں۔ بس دعا ہے 'بچوں کی دنیا' کبھی بند نہ ہو۔ اس کی وسعت میں اور اضافہ ہو۔

خان اعتینہ محمد رضوان، یونیشل گرلس ہائی اسکول، ناسک مہاراشٹر

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

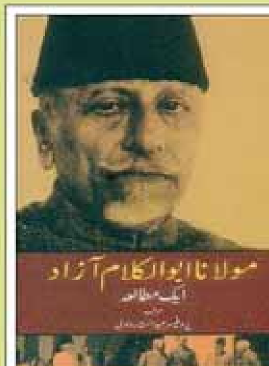

صفحات: 47، قیمت: 216 روپے

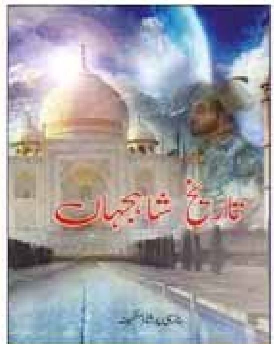

صفحات: 466، قیمت: 197 روپے

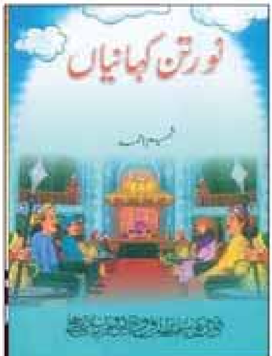

صفحات: 155، قیمت: 37 روپے

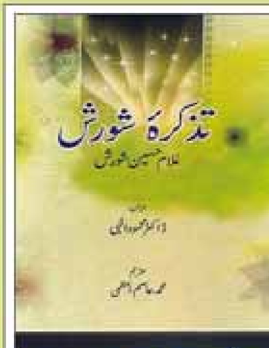

صفحات: 450، قیمت: 198 روپے

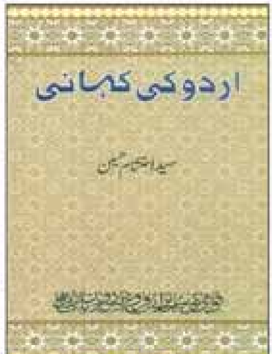

صفحات: 104، قیمت: 125 روپے

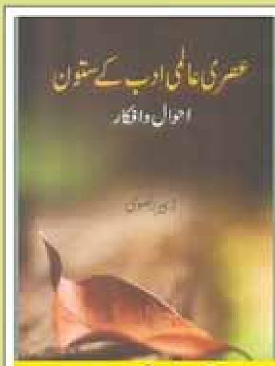

صفحات: 218، قیمت: 111 روپے

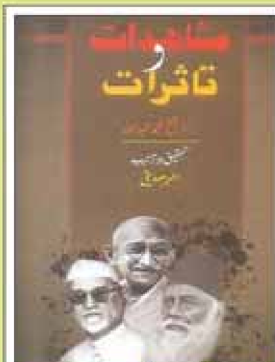

صفحات: 413، قیمت: 185 روپے

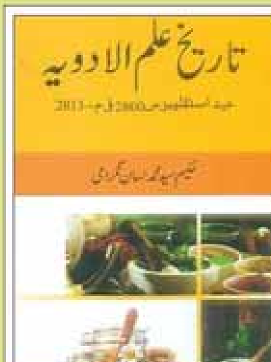

صفحات: 498، قیمت: 229 روپے

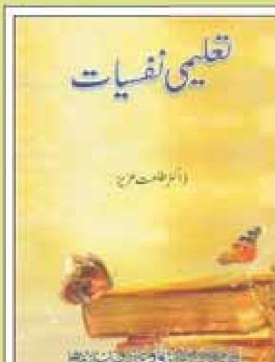

صفحات: 242، قیمت: 100 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159 E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

BACHON KI DUNIYA Monthly, February 2016, Vol. 04, Issue: 2
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439-2016-18
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/01/16
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دل چسپ کتابیں

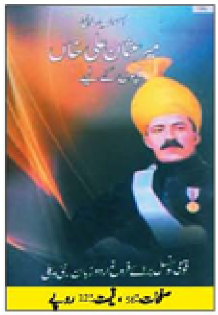

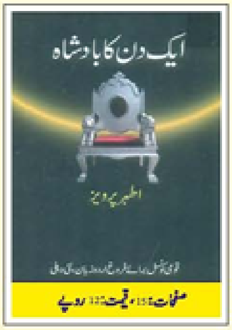

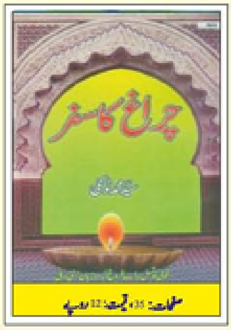

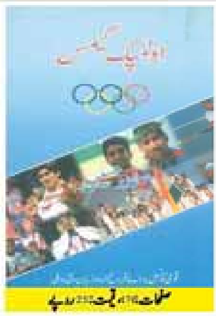

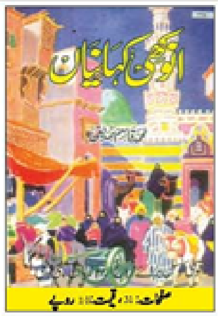

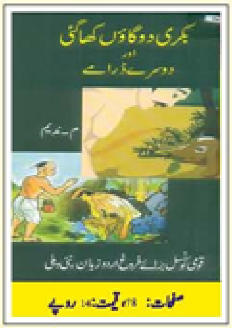

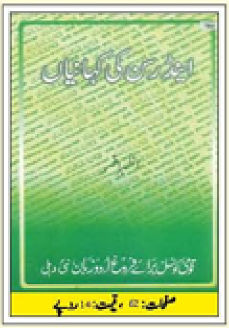

منگانے کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Prof. Syed Ali Karim, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020